

ماہنامہ

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ

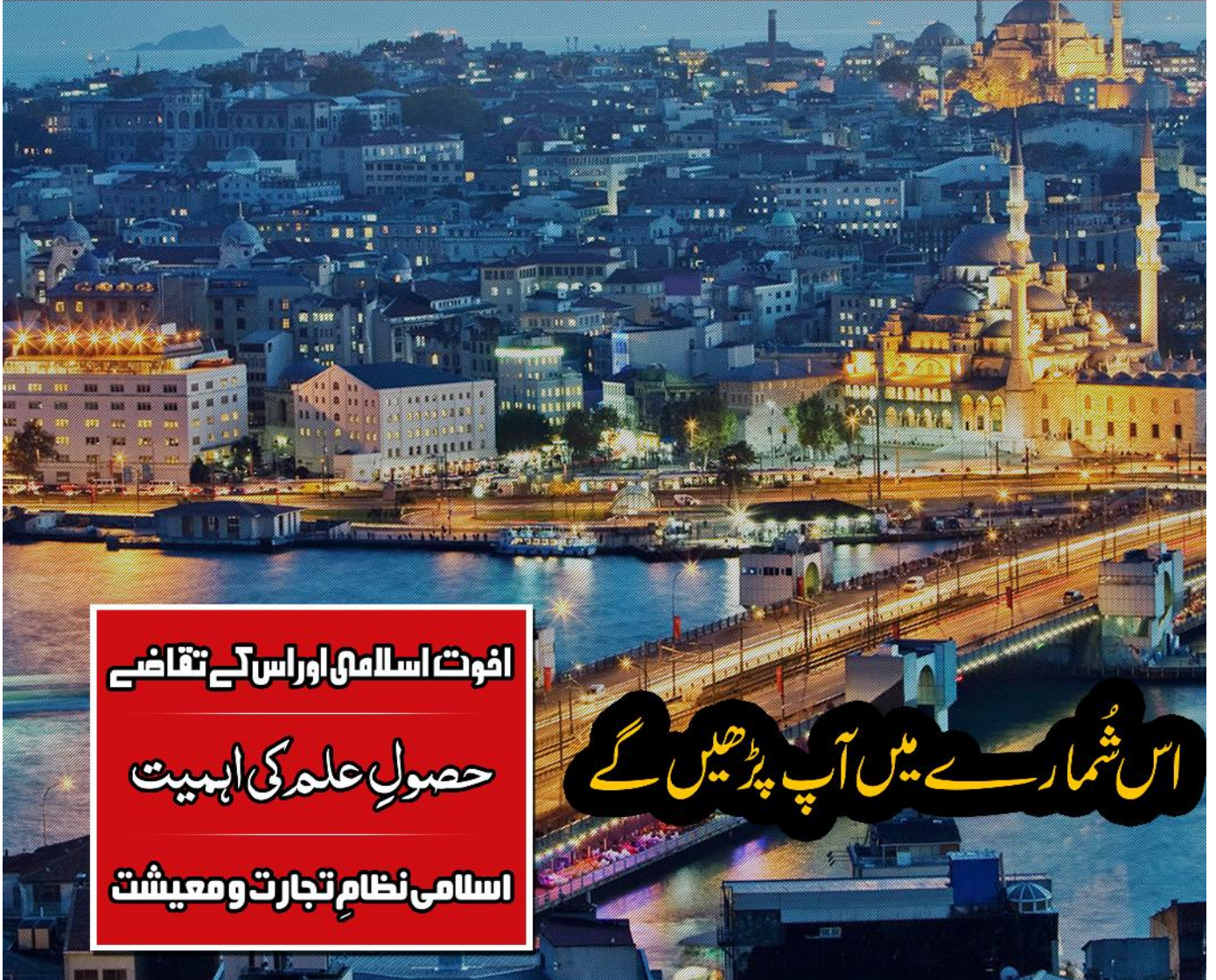
جلد ۱  
شمارہ ۷

MONTHLY HUSLA

دسمبر ۲۰۱۵ء، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

# ترکی کا اسلامی دنیا میں ابھرتا کردار!

روس اور ترکی کیا تیسری جنگ عظیم کی خشتِ اول ثابت ہوں گے؟



افوتِ اسلامی اور اس کے تقاضے

حصولِ علم کی اہمیت

اسلامی نظامِ تجارت و معیشت

اس شمارے میں آپ پڑھیں گے



## خوف سے امن کیسے حاصل ہو؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔ ”اَلَوْ ضُوْءٌ سَلَّحُ الْمُؤْمِنِ“

ترجمہ:، وضو مومن کے ہتھیار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے قاصد کو پیغام دیکر دور دراز علاقے میں بھیجا۔ راستہ میں وہ قاصد اپنا راستہ بھول کر ایک جنگل میں جا نکلا، دن رات چلتے چلتے جب وہ تھک گیا تو اس نے سوچا میں کسی سے رستہ کی رہنمائی حاصل کروں، اسی دوران وہ ایک راہب کے گھر پہنچا، اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، کافی دیر کے بعد راہب نے دروازہ کھولا، قاصد نے راستہ پوچھا، معلوم ہونے پر شکریہ ادا کیا اور یہ بھی پوچھا کہ آپ نے دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔ راہب نے کہا کہ جب آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھے ڈر تھا کہ میں کوئی چور ڈاکو نہ ہو جو جان و مال، عزت و آبرو کو نقصان پہنچائے چنانچہ میں نے سب اہل خانہ کو جگا کر وضو کروایا، پھر دروازہ کھولا۔ ہمیں اپنے دین کی یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص وضو کر لیتا ہے اس کو خوف سے امن دیا جاتا ہے۔

## صفحات مجلہ

5	اداریہ
7	اخوت اسلامی اور اس کے تقاضے
10	حصول علم کی اہمیت
14	اسلامی نظام تجارت و معیشت اور دور جدید کی معاشیات
17	راہ اعتدال!
20	حرمین شریفین کی عبادت اور جہاد فی سبیل اللہ
22	خدا را اس کا تدارک کیجیے
24	منزل ہم سے کیوں روٹھی؟
27	دین اسلام مکمل ضابطہ حیات
29	حضرت بلال بن رباح
34	ازدواجی زندگی میں بیوی کے فرائض اور شوہر کے حقوق
39	کوئی پاگل ہی ہوگا!
41	نماز اور صحت، ایک سائنسی رپورٹ
44	اسلام میں حسن معاشرت کا تصور
47	صحت مند نیند اور قیلولہ کی اہمیت

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

إِنَّ اللَّهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْفُزَانِ-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا

سد باب کر دیتے ہیں جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

الْإِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ أَخَوَانِ تَوَامِلَانِ لَا يَصْلَحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَّا

بِصَاحِبِ الْإِسْلَامِ أَسَّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا لَاسٍ لَهُ

لِيَهْدُمَ وَمَا لَا حَارِسٍ لَهُ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی

ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک

عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی

بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)



monthlyhosla@gmail.com  
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور  
پرمغز تجسریں اس برقی پست  
پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog

facebook.com/ehtadal

twitter.com/molanaismatulah

www



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ط

ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (سورہ النور، ۳۰)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین سے فرما دیجیے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہونے کی بات ہے، بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

نظر کی حفاظت اور عفت و عصمت کا حکم، محارم کا بیان

ان دونوں آیتوں میں پردہ کے احکام بیان فرمائے ہیں اور اول تو مردوں اور عورتوں کو نظریں پست یعنی نیچی رکھنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں یعنی زنا نہ کریں۔ دونوں باتوں کو ساتھ جوڑ کر یہ بتا دیا کہ نظر کی حفاظت نہ ہوگی تو شرم گاہوں کی حفاظت بھی نہ رہے گی۔ گھروں میں جانے کے لیے جو اجازت لینے کا حکم ہے اس میں جہاں دیگر امور کی رعایت ملحوظ ہے وہاں حفاظت نظر بھی مطلوب ہے، جب نظر کی حفاظت ہوگی تو مرد و عورت کا میل جول آگے نہیں بڑھے گا اور زنا تک نہ پہنچیں گے۔ چونکہ نظر کو بھی مزہ آتا ہے اور نظر بازی سے دواعی زنا کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نظر پر پابندی لگائی ہے اور نظر کو بھی زنا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کو سچا کر دیتی ہے۔ (رواہ مسلم ج ۳۶ ص ۳۳۶)

مطلب یہ ہے کہ زنا سے پہلے جو زانی مرد اور زانی عورت کی طرف سے نظر بازی اور گفتگو اور چھونا اور پکڑنا اور چل کر جانا ہوتا ہے یہ سب زنا میں شمار ہیں اور یہ چیزیں اصل زنا تک پہنچا دیتی ہیں بعض مرتبہ اصل زنا کا صدور ہو ہی جاتا ہے (جس کے بارے میں فرمایا کہ شرم گاہ تصدیق کر دیتی ہے) اور بعض مرتبہ اصلی زنا نہ جاتا ہے مرد و عورت اسے نہیں کر پاتے (جس کو یوں بیان فرمایا کہ شرم گاہ جھٹلا دیتی ہے۔ یعنی اعضاء سے زنا کا صدور تو ہو گیا لیکن اس کے بعد اصلی زنا کا موقع نہیں ملتا)۔ حفاظت نظر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے۔ نظر کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں، عورت عورت کے کس حصے پر نظر ڈال سکتی ہے اور مرد مرد کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے اس کے بھی قوانین ہیں اور شہوت کی نظر تو بجز میاں بیوی کے کسی کے لیے حلال نہیں۔ جس نظر سے نفس کو مزہ آئے وہ شہوت کی نظر ہے۔ اگر عورت پردہ نہ کرے مردوں کو تب بھی نظر ڈالنا ممنوع ہے۔ اپنے محرموں سے پردہ نہیں ہے لیکن اگر وہاں بھی شہوت کی نظر پڑنے لگے تو پردہ لازم ہے۔ اگر کوئی عورت یہ سمجھتی ہو کہ میرا فلاں محرم مجھ پر بری نظر ڈالتا ہے تو پردہ کرے۔ اگر بے دھیانی سے کہیں ایسی نظر پڑ جائے، جو حلال نہیں ہے تو فوراً نظر کو ہٹالیں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر کو پھیر لو۔ (رواہ مسلم)

ابن المنذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ شیطان آدمی کی تین جگہوں پر ہوتا ہے اس کی آنکھوں پر، اس کے دل پر اور اس کے ذکر پر اور عورت کی بھی تین جگہوں پر ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر اس کے دل پر اور اس کی سرین پر۔

ابو القاسم البغوی والطبرانی نے ابوامامہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مجھ کو ضمانت دو چھ باتوں کی، میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب کوئی تم میں سے بات کرے تو جھوٹ نہ بولے اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف نہ کرے اور اپنی نظروں کو نیچا رکھو، اپنے ہاتھوں کو ظلم سے روکو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔

احمد والحکیم فی نوادر الاصول والطبرانی وابن مردودہ والبیہقی فی شعب الایمان ابوامامہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کوئی مسلمان اپنی پہلی نظر سے کسی عورت کی طرف دیکھتا ہے اور اپنی آنکھوں کو نیچا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو ایسا بنا دیتے ہیں کہ اس کی مٹھاس کو اپنے دل میں پاتا ہے۔  
الحاکم وصحیحہ حدیث سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، جس نے اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے ایسا ایمان عطا فرماتے ہیں جس کی مٹھاس کو وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔  
تفسیر انوار البیان، تفسیر درمنثور



# ترکی کا اسلامی دنیا میں ابھرتا کردار

## روس اور ترکی کی تیسری جنگ عظیم کی خشتِ اول ثابت ہوں گے!

بلاشبہ خلافت عثمانیہ اسلامی خلافت کا ایک تسلسل تھا جس کی خیر و برکت سے اہل اسلام اپنی عزت و حرمت جان اور مال محفوظ رکھے ہوئے تھے اور خلافت کے اثرات سے مسلمانوں کے جان و مال کے ساتھ ان کے عقائد بھی محفوظ تھے، خلافت عثمانیہ 1299ء سے لے کر 1922ء تک قائم رہنے والی ایک مسلم سلطنت تھی جو کم و بیش 622 سال قائم رہی خلافت عثمانیہ کی شان و شوکت کا اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ یہ تین براعظموں تک پھیلی ہوئی تھی جنوب مشرقی یورپ، مشرق وسطیٰ، اور شمال افریقہ کا بیشتر حصہ خلافت عثمانیہ کے زیر نگین تھا آخری خلیفہ شیخ عبد الحمید ثانی کمزور ترین خلیفہ تھے جنکی حکومت دو اڑھائی سال سے زیادہ نہ چل پائی، یہ آخری زمانہ تھا جب آخری خلیفہ سے یہودیوں نے سرزمینِ فلسطین کے سودے کے بدلے خلافت کے قائم رہنے اور سازشیں ختم کرنے پر بات کی، تو انہوں نے اہل یہود سے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ میں ان پیشکشوں کے بدلے اپنے پاؤں سے چبٹی فلسطین کی مٹی بھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، حالانکہ سلطان عبد الحمید ثانی کمزور ترین کردار کے مالک اور خلافت عثمانیہ کے آخری لڑکھڑاتے چراغ تھے۔ انہی تاریخ کو سامنے رکھ کر موجودہ ترکی حکومت اگر چہ وضع قطع میں، اور اپنے جمہوری طریقہ کار کی بدولت کچھ اسلامی دکھائی تو نہیں دیتی مگر انکی اسلام پسندی کچھ ڈھکی چھپی نہیں ہے ان کے اذہان و قلوب میں اسلامی تاریخ کے وہ ادوار اور کردار جگمگا رہے ہیں، جن پر اسلامی دنیا بلاشبہ فخر کرتی ہے اسکی ایک مثال سلطان محمد فاتح کی تصاویر کو سرکاری دفاتر میں آویزاں کرنا ہے جبکہ اسلام دشمن مصطفیٰ کمال اتاترک کی تصاویر کو اتار پھینکنا ہے۔ تاریخ اسلام سلطان محمد فاتح کے سنہرے کارناموں سے جگمگا رہی ہے، جن کارناموں میں سب سے زیادہ معروف کارنامہ خشکی پر کشتی چلانے کا ہے جب کچھ یوں ہوا۔ ”22 اپریل 1453ء ایک ایسا تاریخی دن ہے جب دنیا نے اک ایسی جنگی حکمت عملی دیکھی جس پر وہ آج بھی انگشت بدنداں ہے جب محاصرہ قسطنطنیہ کے دوران ”سلطان محمد فاتح“ نے بحری جہازوں کو خشکی پر چلوادیا۔۔

آبنائے باسفورس سے شہر قسطنطنیہ کے اندر جانے والی خلیج ”شاخِ زریں“ کے دہانے پر برزنطینی افواج نے اک زنجیر لگا رکھی تھی جس کی وجہ سے عثمانی بحری جہاز شہر کی فصیل کے قریب نہ جاسکتے تھے۔ سلطان نے شہر کے دوسری جانب غلطے کے علاقے سے جہازوں کو خشکی پر سے گزار کر اس خلیج میں اتارنے کا عجیب و غریب منصوبہ پیش کیا اور 22 اپریل 1453ء کو عثمانیوں کے عظیم جہاز خشکی پر سفر کرتے ہوئے شاخِ زریں میں داخل ہو گئے۔ سلطان کے اس خیال کو حقیقت بنانے کے لیے عثمانی افواج نے خشکی پر راستہ بنایا اور درختوں کے بڑے تنوں پر چربی ل کر جہازوں کو ان پر چڑھادیا گیا۔ علاوہ ازیں موافق رخ سے ہوا کی وجہ سے جہازوں کے بادبان بھی کھول دیے گئے اور رات ہی رات میں عثمانی بحری بیڑے کا ایک قابل ذکر حصہ شاخِ زریں میں منتقل کر دیا۔ صبح قسطنطنیہ کی فصیل پر

کھڑے بریطانی فوجی آنکھیں ملتے رہ گئے کہ آیا یہ خواب ہے یا حقیقت کہ زنجیر اپنی جگہ قائم ہے اور عثمانی جہاز شہر کی فصیل کے قریب کھڑے ہیں۔۔ بہر حال یہ حکمت عملی قسطنطنیہ کی فتح میں سب سے اہم رہی کیونکہ اسی کی بدولت عثمانیوں کو جنگ میں پہلی بار حریف پر نفسیاتی برتری حاصل ہوئی۔۔ بعد ازاں 29 مئی کو انہوں قسطنطنیہ کو فتح کر لیا اور صدیوں کی کشت و خون کا حاصل ”اسلام بول“ (استنبول) امت مسلمہ کا مرکز و محور بن گیا، موجودہ ترک حکومت کا برما کے مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ مدد اور ہمدردی کو سب نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا، پھر شام کے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی اور مصر کے اسلام پسندوں کی حمایت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ ترکی چونکہ ابھی تک نیٹو اتحاد کا حصہ ہے، لہذا انکی افغانستان کے میدانوں میں نیٹو افواج کے ساتھ موجودگی ان کے اسلام پسندی پر سوالات اٹھاتی ہے مگر حقائق کچھ یوں بھی ہیں کہ ترکی چودہ سالہ افغان واریں آپریشنل نہیں رہی ہے، گرفتار ترک سپاہیوں کے ساتھ طالبان نے بھی نرم رویہ کا اظہار کرتے ہوئے انہیں رہا کیا اور کچھ اپنے مطالبات ترکی کے سامنے رکھے جو ترکی نے مان لیے تھے۔ بہر حال اب جب شام کی سرزمین آگ اگل رہی ہے اور اسے اسلام دشمن قوتوں نے تپتا ہوا تندور بنا کر رکھ دیا ہے امریکہ اور اس کے حواری، روس اور اسکے چاہنے والوں نے سرزمین شام کو نئی چراگاہ بنا کر رکھ دیا ہے، روس کا شام کے میدان میں کود پڑنا خوا خواہ نہیں ہے، بلکہ روس یوکرین کے کامیاب جنگ کے بعد اپنے پاؤں پھیلاتے ہوئے شام میں امریکی مفادات کو چیلنج کرتے ہوئے اتر آیا ہے، روس کے جنگی جہازوں کا ترکی کی سرحدی خلاف ورزیاں کرنا بھی اسی مقصد کی خاطر ہے کہ آہستہ آہستہ اپنی طاقت کا لوہا اور اپنا عسکری رعب دیگر ممالک پر بھی قائم کیے جائے، مگر ترکی نے ”ترکی بہ ترکی“ جواب دیتے ہوئے روس کا طیارہ مار گرایا اور پھر مسٹر پیوٹن کو کھری کھری سناتے ہوئے کہا کہ ”ہم خوفزدہ ہونے والے نہیں“ جب روس نے معافی کا مطالبہ کیا تو یکسر اس مطالبے کو مسترد کر دیا گیا، ادھر ترکی نے نیٹو اتحادیوں کا اجلاس طلب کر لیا۔ ان تمام امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی کے موجودہ حکمران اسلامی دنیا میں اپنا ابھرتا ہوا مثبت کردار دکھانا چاہ رہے ہیں۔ ترکی متعدد بار یہ کہہ چکا ہے، کہ ہم شام کے اپنے بھائیوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ جہاں روس اپنی کھوئی طاقت اور کردار کے دوبارہ حصول کا خواہشمند ہے، وہاں ترکی بھی اسلامی دنیا کی امامت کا سپنا سینے میں سجائے سامنے آ رہا ہے جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اس تمام تر صورتحال سے تیسری عالمی جنگ (ہرمجدون) کے آثار بھی پوری طرح واضح ہو گئے ہیں۔ رسول خدا، محمد عربی کریم، مخبر صادق ﷺ نے تیسری عالمی جنگ کے بارے میں جو کچھ بتایا اس لحاظ سے اس جنگ کا مرکز شام کا شہر غوطہ ہوگا جہاں کچھ عرصہ قبل اسدی فوج کیمیائی ہتھیار استعمال کر کے ہزاروں افراد کو تہ تیغ کر چکی ہے۔ تیسری عالمی جنگ کی شروعات میں مسلمان اور عیسائی (ترکی اور دیگر مسلمان ممالک / امریکہ اور دیگر عیسائی ممالک) ایک الگ قوت سے برسر پیکار ہوں گے۔ جنگی قیادت بظاہر روس کرتا دکھائی دیتا ہے، (یہ تطبیق ظاہری حالات کو سامنے رکھ کر ہے حقیقت حال سے صرف اللہ ہی واقف ہے) اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان اور عیسائیوں کو فتح حاصل ہوگی، پھر عیسائی مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کریں گے جس سے اہل اسلام انکار کر دیں گے، پھر عیسائیوں کے لشکر 80 جھنڈے لیکر نمودار ہوں گے اور ہر جھنڈے کے ماتحت 12 ہزار لڑاکو ہوں گے، ایک خونریز اور خطرناک جنگ کے بعد عیسائیوں کو اہل اسلام سے بدترین شکست ہو جائے گی۔ (ان شاء اللہ)۔ عیسائیوں کے پوپ فرانس حملوں سے تیسری عالمی جنگ کے آغاز کا اعلان کر چکے ہیں، جس کا مقصد عیسائیت کو مجتمع اور بیدار کرنا ہے۔ یاد رہے جس طرح اہل اسلام حضرت مہدی علیہ الرضوان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتظر ہیں، یہودی بھی دجال کے منتظر ہیں اور عیسائیوں کے کچھ گروہ مسیح موعود کے انتظار میں ہیں۔ ان تینوں مذاہب کے پیروکار موجودہ ابھرتے جنگی حالات سے ہی اپنی اپنی شخصیات کا ظہور دیکھتے ہیں۔

المختصر۔۔ اہل اسلام کو ترکی کے موجودہ کردار کو سراہنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ مسلم ممالک کے حکمران غیروں کی کاسہ لیس سے نکل کر اہل اسلام کی نمائندگی کرنے کے قابل ہو جائیں جس سے مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت و رعب کی طرف واپس لوٹ سکیں۔



اس مخالفت کو ختم کروانے کے لیے پوری جدوجہد کریں اور آپس میں صلح کروادیں۔ باہمی اخوت و محبت کا جو رشتہ جذبات میں مغلوب ہو گیا اس کو زندہ کیا جائے۔ اسی لیے اگلی آیت میں تاکید فرمایا: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾ اور ساتھ ہی وہ بنیاد و اساس بھی ظاہر کر دی گئی جس پر اخوت کی عظیم عمارت قائم ہو سکتی ہے اور وہ ہے اللہ کا خوف۔ معلوم ہوا کہ کبھی اگر بھائیوں کی لڑائی ہو جائے تو اپنے دونوں بھائیوں میں اصلاح کرا دیا کرو، کیوں کہ دونوں گروہ بہر حال تمہارے بھائی ہیں۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿واجعل لی وزیراً من اہلی ہارون اخی﴾ دونوں بھائیوں نے مل کر بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کی راہ ہموار کی اور موسیٰ نے ہارون کو اپنا نائب بھی منتخب فرمایا۔ اسی اخوت کی بنا پر محبت کے اعلیٰ درجات کو چھوا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی بہت ساری آیات اسلامی اخوت پر دلالت ہیں، جیسے: ﴿ان ہذہ امتکم امۃ واحدة﴾ ﴿واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا﴾

اخوت اسلامی احادیث کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا ایک بڑا ذخیرہ اس بارے میں منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”المسلم اخو المسلم“ ایک موقع پر فرمایا ”المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ ببعضاً“ ایک اور جگہ پر منقول ہے باہمی محبت اور تعلق میں اہل ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر ایک عضو بیمار

## مفتی محمد مجیب الرحمن

ہو سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ان ربکم واحد، وان اباکم واحد“ ثانی قسم یہ کہ چھٹی صدی عیسوی میں ایک نئی اخوت کی بنیاد ڈالی گئی، اس اخوت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ، نوع انسانی کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ، عدل و مساوات کے اصول اور انسانوں کی خدمت کے عزم و ارادہ پر تھی۔

اخوت، قرآن کریم کی روشنی میں قرآن کریم میں اخوت اسلامی کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اہل ایمان کی دو گروہوں کے مابین جنگ کی صورت میں ہماری ذمہ داری قرآن کریم کی آیت: ﴿وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا﴾ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر کسی قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے تو مسلمانوں میں اہل فہم و ارباب حل و عقد یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ

تفریق ہے حکمت افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

## اصلاح میں اخوت

مسلمانوں پر ایک دوسرے کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت بلا امتیاز فرض ہے اور مذکورہ امور میں کوتاہی کرنا حرام ہے، اسی قانون کا نام شریعت نے ”اخوت اسلامی“ رکھا ہے، جب کہ اس کی ضد عصبیت ہے اور وہ مسلمانوں کا قومی، لسانی، صوبائی یا خاندانی بنیادوں پر باہمی دشمنی کا نام ہے۔

## اخوت کی اقسام

حضرت ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کی دو قسمیں لکھی ہیں، اول یہ کہ پوری نسل انسانی ایک آدم کی اولاد ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایسے معجزانہ الفاظ میں اس پر مہر لگا دی کہ اس سے زیادہ اسلامی مساوات کا کوئی منشور نہیں

سے منہ لگا کر اس بچے ہوئے پانی میں سے پیا، پھر سب لوگوں سے پانی پلویا اور فرمایا ”دیکھو بھائی! اس سے نفرت نہ کرنا۔“

وطن عزیز پاکستان پر ایک نظر

پاکستان کا مسئلہ صرف یہ نہیں کہ تنہا اس ملک میں اسلامی وحدت کے علمبردار ہوں، بلکہ اس وقت پوری دنیا کے سیاسی نقشے میں اسلامی وحدت کے ہم دعوے دار ہیں اور اس کے لیے کوشاں ہیں۔ اگر ہم وحدت اسلامی سے دست بردار ہو جائیں گے تو ہمارا ملک بھی لسانی، تہذیبی جھگڑوں اور پرانی اور علاقائی تہذیبوں کے احیا کے فتنوں سے بھر جائے گا۔ مثلاً یہ جذبہ کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے قدیم تہذیب کو زندہ کیا جائے تو پھر اس وطن کا خدا ہی محافظ ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ اب اس قسم کے کئی فتنے ملک کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس ملک کے مختلف عناصر ترکیبی کو جو چیز مربوط کرتی ہے، وہ ہیں وحدت ایمانی، وحدت عقیدہ اور اخوت اسلامی، اگر نئی وحدتیں قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو ذلت مقدر ہوگی، جیسے کہ اقبالؒ نے پہلے خبردار کیا،

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

اخوت اسلامی نہ ہونے پر وعیدیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عصیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصیت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصیت پر مارا جائے وہ ہم میں سے نہیں۔ قرآن کریم کی آیت: ﴿تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادَ كَبِيرٌ﴾ بھی اسی بارے میں ہے۔ ہمارے لیے پناہ صرف اخوت اسلامی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی وحدت پیدا ہوئی تو امت کا

اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی سے اس کے نکاح کے لیے تیار ہوئے۔ مہاجرین نے بھی نہایت ہمت کے ساتھ مزدوریاں کیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے اخوت کی مثال مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز بن عمیر غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے۔ جب ابوعزیز کے ہاتھ باندھے جانے لگے تو رسیاں باندھنے والے سے کہا کہ اس کو اچھی طرح کس کر باندھو، اس سے اچھی رقم وصول ہوگی۔ یہ بات سن کر ابوعزیز نے کہا ”آپ سے یہ توقع نہ تھی، آپ کلمہ خیر کہتے میری سفارش کرتے، لیکن اس کے برعکس آپ نے ہاتھ مضبوطی سے باندھنے کا حکم دیا“ تو مصعب بن عمیرؓ نے فرمایا ”تم اس وقت میرے بھائی نہیں، میرا بھائی وہ ہے جو تمہارے ہاتھ میں رسی باندھ رہا ہے، اس لیے کہ ایک نئے رشتہ نے ہم کو جوڑ دیا ہے، جو خون کا رشتہ تو نہیں، مگر اس سے بھی زیادہ عظیم اور قابل قدر ہے۔“

اکابر علمائے دیوبند کے ہاں اخوت کی اہمیت یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ علمائے دیوبند نے اخوت کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ صرف اخوت اسلامی کے قیام کے لیے جدوجہد پر کئی جلدی لکھی جاسکتی ہیں، لیکن میں صرف حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ حضرت تھانویؒ ایک جگہ تشریف لے گئے، جس کو ”کالپی“ کہتے تھے، وہاں ایک بھنگی مسلمان ہوا تھا لیکن لوگ اس سے نفرت کی وجہ سے اس کے ساتھ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے، لوگوں نے حضرت تھانویؒ سے شکایت کی، تو آپؒ نے ایک لوٹا منگوایا اور پھر اس نو مسلم سے فرمایا کہ ٹوٹی سے منہ لگا کر پیو، پھر خود ٹوٹی

ہو جائے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

فقہائے کرام کے ہاں اخوت اسلامی کی اہمیت اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام فقہاء نے اس پر ایک الگ باب قائم کیا ہے جس میں ہر نوع کے مسئلہ کو مفصلاً حل کیا ہے، مثلاً اگر صلح میں کسی جماعت کی زیادتی دیکھو اور وہ جنگ ترک کرنے پر آمادہ نہ ہو تو سب مل کر ان کی مخالفت کرو حتیٰ کہ وہ تعدی سے باز آکر اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے اور جنگ بند کر دے۔ پھر دونوں کے درمیان حدود شریعہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ فقہائے کرام نے تاکید فرمائی ہے کہ انصاف سے فیصلہ کیا جائے تاکہ مخالفت ہمیشہ کے لیے ختم ہو اور یہ اندیشہ نہ رہے کہ جنگ دوبارہ شروع ہو جائے۔ علاوہ ازیں کسی فریق کی طرف داری بھی نہ کی جائے۔

مدینہ منورہ میں اخوت کی مثال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے شہر کے امن اور باشندوں کے باہم تعلقات کی طرف توجہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا تھا کہ مہاجرین مکہ اہل مدینہ کے لیے باعث اذیت نہ ہونے پائیں اور ساتھ ساتھ مہاجرین ہجرت کی وجہ سے دل شکستہ نہ ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کر کے اخوت اسلامی کا وعظ فرمایا اور مسلمانوں کے اندر مواخات قائم کر کے نہایت خوش گوار معاشرہ تشکیل فرمایا۔ اس عہد مواخات کو انصار نے اس خلوص سے نبھایا کہ تاریخ میں کوئی دوسری نظیر تلاش نہیں کی جاسکتی۔ تمام مہاجرین کو حقیقی بھائی سمجھا اور بے دریغ مال و اسباب ان کے سپرد کیا۔ بعض انصار



ہماری حالت اگر بدلے گی تو ہمیں خود ہی اس کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو خیال جس کو اپنی حالت بدلنے کا اسلامی اخوت کو فروغ کیسے دیا جائے؟

اول اس پر غور کیا جائے اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے کہ لسانیت اور قوم پرستی کا پس منظر اور پیش نظر کیا رہا؟ اندرون و بیرون ملک کونسے عناصر شریک کار ہیں؟ اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ یہ یقیناً سب لائق اظہار ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ عوامی، علمی، سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر لوگوں کا شعور بیدار کیا جائے، غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے، اخوت اسلامی کے فضائل کا ہر جگہ تذکرہ ہو اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے تمام جائز ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جائے۔

حرف آخر

موجودہ دور کا یہ اہم ترین موضوع اب تک ہماری مکمل توجہ کا طلب گار ہے اور اس موضوع پر مستقل اور سنجیدہ کام کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج ملت اسلامیہ لسانی اختلاف کا شکار ہے۔ ہمارے جن مسلمان بھائیوں میں یہ Virus سرایت کر چکا ہے ان کی اصلاح کرنا، یہ بھی بلا مبالغہ ہمارا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی ادائیگی کرنے والا بنادے۔ آمین

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہے سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

المؤمنین کا انتخاب کیا جائے اور باقی سب مسلمان اس کے ماتحت ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اسلام اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ جمہوریت کا نہیں، جمعیت کا نام ہے۔ تاریخ کو دیکھا جائے تو ہٹلر (Hitler) نے ایک باطل مقصد کے لیے تمام عیسائی دنیا کو جمع کیا اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ یوں مسلمانوں کو اس وقت ایک ایسے لیڈر کی ضرورت ہے جو صحیح رخ متعین کرنے کے بعد ملت اسلامیہ میں اخوت پیدا کر کے ایک مثالی حکومت قائم کرے۔

جمہوریت نہیں، خلافت

جمہوریت کو چھوڑ کر خلافت کا راستہ اپنایا جائے، جمہوریت میں افراد کی گنتی تو کی جاتی ہے، لیکن تولا نہیں جاتا۔ ایک عالم اور شریف آدمی ووٹ کے اعتبار سے شرابی کے برابر ہے۔ جمہوریت ہی کی وجہ سے آج تمام عالم کے مسلمان کئی جماعتوں میں بٹ گئے ہیں۔ خلافت کے قیام سے خلافت عثمانیہ کی طرح سب مسلمان ایک جسم کے مانند ہو جائیں گے اور اس کے لیے اساس ایمان اور اعمال صالحہ ہیں، جیسا کہ سورۃ النور میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

فروعی اختلافات کی بجائے اجتماعی مفادات کو مدنظر رکھنا

فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر اختلاف نہ کیا جائے۔ اگر چار فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے ہیں تو وہ تعصب کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنے اپنے اصول و قواعد کی بنیاد پر اور اجتہاد کی قوت پر۔ اگر حضرات ائمہ کرامؒ کی سیرت پر نظر ڈالی جائے تو اس فروعی اختلاف کے باوجود وہ ایک دوسرے کے دلدادے تھے اور ایک دوسرے کی حد درجہ عزت کرتے تھے۔ آج

شیرازہ بکھر جائے گا۔ طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی اور جاہلی عصبيت دوبارہ زندہ ہو جائے گی، جس کو اسلام نے ختم کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید زندگی میں کسی مسئلہ اور کسی موقع پر اتنی سخت زبان استعمال نہیں کی جو اس جاہلی عصبيت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب بصیرت اور نور الہی سے منور تھے، اور اقوام سابقہ کی تاریخ سے واقف، اس لیے عصبيت کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے، خلاصہ یہ کہ عصبيت ایسی آندھی ہے جس سے بڑھ کر کوئی اندھا وجود دنیا میں پیدا نہیں ہوا یہ کسی کی رعایت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اب کہاں ایثار و اخوت وہ مدینے جیسی؟

اب تو مسلم کو مسلمان سے ڈر لگتا ہے

اسلامی اخوت کے تقاضے رواداری قائم کرنے کی ضرورت

تمام مسلمانوں کو ایک جیسے حقوق دیے جائیں حتیٰ کہ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا نہ صرف تحفظ کیا جائے، بلکہ ایک ایسا پر امن معاشرہ تشکیل دیا جائے جو پورے عالم کے لیے اپنی مثال آپ ہو۔

سیاسی یا مذہبی موافقات (Agreements)

تمام جماعتیں اپنے سیاسی اور مذہبی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں، لیڈر بننے کے شوق میں امت کو مزید تقسیم نہ کیا جائے، اس سے تعصب اور تفرقہ وجود میں آئے گا۔ کسی نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے جماعت بنا کر امت کو تقسیم کیا اور کسی نے مذہب کے نام پر وحدت کی طرف بلانے کے لیے۔ ایک امیر





حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کی زیادتی کی طلب کا حکم فرمایا، چنانچہ حکم دیا گیا: ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (سورۃ طہ: 114) ”آپ کہیے: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔“ علم ایمان کی علامات میں سے ہے اور جہالت اہل جہنم کی صفات میں سے ہے۔ علم نوافل سے بہتر ہے اور

دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہے، مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیزیں جو اللہ سے قریب کریں (یعنی نیک عمل) اور عالم اور متعلم (طالب علم)۔

ایک عظیم جہاد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”من جاء مسجدی هذا، لم يأتہ إلا خیر، یتعلّمہ، أو یعلّمہ فهو بمنزلة المجاہد فی سبیل اللہ“ (سنن ابن ماجہ) ترجمہ: جو شخص میری اس مسجد میں صرف اچھی اور خیر کی بات سیکھنے یا سکھانے کے مقصد سے آتا ہے اس کا مرتبہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ دینی علم انسان کو یہ بتاتا ہے کہ اس کا رب کون ہے؟ اس کے رب کی صفات کیا ہیں؟ انبیائے کرام کون ہیں؟ ان کے اوصاف کیا ہیں اور ان کی نواہی کیا ہیں؟ ایک انسان ان تمام باتوں کو جاننے اور اس کے مقتضی پر عمل کرنے کے بعد پر امن زندگی بسر کرتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ علم کے شرف کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ شخص بھی علم کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کا اہل نہیں اور جہالت کی عار کے لیے اتنی سی بات بہت ہے کہ جاہل بھی جہالت سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔

علم، ایمان اور عمل  
اسلام کی نظر میں علم اور حصول علم کی کوشش کی تمام  
مذکورہ بالا فضائل کے باوجود کوئی بھی اہمیت نہیں ہے  
اگر وہ علم ایمان سے خالی ہو، قرآن پاک میں اللہ  
تبارک و تعالیٰ نے علم اور ایمان کو ایک ساتھ ملا کر ذکر  
کیا ہے، چنانچہ سورہ روم کی آیت نمبر 56 میں  
ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ  
وَالْإِيمَانُ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى  
يَوْمِ الْبَعْثِ﴾ اور ان لوگوں نے کہا جن کو علم  
اور ایمان عطا کیا گیا کہ تم لوگ جیسا کہ کتاب اللہ  
میں ہے یوم قیامت تک پڑے رہے۔ اور سورہ  
مجادلہ آیت نمبر 11 میں ہے: ﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ  
آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ  
دَرَجَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات کو بلند  
فرماتے ہیں جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا۔ علم  
اور ایمان کے علاوہ جو تیسری چیز انتہائی اہمیت کی  
حامل ہے وہ عمل ہے۔ اسلام کی نظر میں حصول علم کا  
مقصد اس پر عمل کرنا ہے، ورنہ وہ علم صاحب علم کے  
لیے وبال جان بن جاتا ہے۔ اسلام نے علم کے اس  
پہلو پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور اجر و نجات کا  
اخصار عمل ہی پر رکھا ہے۔ بے شمار وعیدیں اور  
مذمت اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو  
اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہے، قرآن پاک میں ہے:  
﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ  
أَنفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا  
تَعْقِلُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 44) کیا تم لوگوں  
کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے  
ہو اور تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا سمجھتے نہیں ہو  
، حدیث پاک میں ہے: ”مَنْ تَعْلَمَ عِلْمًا مِمَّا“

یبتغی بہ وجہ اللہ عزوجل لا یتعلمہ إلا لیصیب بہ عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة يوم القيامة (یعنی ریحھا) (سنن ابوداؤد و سنن ابن ماجہ) جس شخص نے علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے اور وہ صرف دنیا کے سامان کے حصول کے لیے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ابن آدم کا قدم اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکتا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے اور ان پانچ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے علم پر کیا عمل کیا۔ (معجم طبرانی) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس علم سے پناہ مانگا کرتے تھے جو نفع بخش نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ”اس علم کی مثال جس پر عمل نہ کیا جائے اس خزانہ کی طرح ہے جس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کیا جائے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”وہ شخص تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے جو قرآن پڑھتا ہے، بلکہ اس شخص کو دیکھو جو اس پر عمل کرتا ہے۔“

علوم شرعیہ کی اہمیت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، ان سب کا مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا تھا اور ایک داعی کے کردار میں سب سے بڑا عنصر علم ہوتا ہے۔ سردار انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں آپ کو پڑھنے کا حکم دینا اور علم کا تذکرہ کرنا اس بات کی

روشن دلیل ہے کہ علم اس دین کو، دنیا کو اور آخرت کو سمجھنے کی کنجی ہے، علم ہی کی روشنی میں دعوت کا کام پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے، شریعت کا علم ہمارے لیے کھانے، پینے، لباس اور دوا سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ علم شریعت ہی سے دین و دنیا کی بقا ہے، علم عبادت کی بنیاد ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کے لیے ہمیں ایک عالم کی ضرورت ہے، جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے اسلاف نے نہ صرف علوم و فنون کی قدر و قیمت کو پہچانا بلکہ انہیں ان کی حیثیت کے مطابق اسلامی معاشرے میں جگہ دی۔ دنیاوی فنون کی قدر دانی بھی کی مگر علوم اسلامی و نسل انسانی کی دنیاوی اور اخروی کام یابی کے لیے لازمی حیثیت دی۔ معاشرے کا مرکز یعنی مساجد تعلیمی حلقوں سے پُر رہا کرتی تھیں

فوقیت رکھتی ہے، اس لیے کہ وہ قلوب مردہ ہوتے ہیں جو اپنے رب کو نہ پہچانیں، دلوں کی زندگی اور اس کا اطمینان و سکون اپنے رب، اپنے معبود اور اپنے خالق و مالک کو اس کے اسماء و صفات اور افعال کے ساتھ جاننے میں مضمر ہے۔“ (الفقہ الاکبر، ص: 17)

کسی قوم کی گمراہی اور بددینی کی بنیادی وجوہات علم دین سے دوری اور خواہشات نفسانی کی اتباع ہی ہیں، گمراہوں اور غلو کرنے والوں کے احوال کے بارے میں اگر غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ یا تو شریعت کے علوم سے بے خبر تھے یا خواہشات نفسانی کے مرض میں مبتلا تھے۔ لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، معاصی کے دلدل میں پھنستے جاتے ہیں، کمزوروں کے حقوق کو ہضم کر جاتے ہیں اور انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ان کے یہ اعمال حرام ہیں جن پر دنیا و آخرت میں شدید ترین سزائیں مرتب ہوں گی، اگر انہیں شریعت کا علم ہوتا تو ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بھی نہ کرتے۔

جدید علوم

علوم کی فضیلت اور اہمیت صرف علوم شریعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ان فنون کی تعلیم بھی ثواب کا باعث بن سکتی ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے دی جائیں اور ان کا مقصد اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانا ہو اور وہ مقاصد شریعت کے ساتھ ٹکراتے بھی نہ ہوں، یہ فنون دراصل کرہ ارض پر بسنے والی مخلوق کی زندگی کو بہتر اور آسان بنانے کا کمند ذریعہ ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْبَرَكُم﴾



فِيهَا ﴿سورة هود: 61﴾ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی زمین میں تمہیں بسایا۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”انتم اعلم بَشَوْنِ دُنْيَاكُمْ“ یعنی تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جاننے والے ہو۔ زمین کی تعمیر کے لیے، وہاں انسانوں کو آباد کرنے کے لیے اور انسانی معاشرے میں زندگی کی اجتماعی ضروریات کو بہتر انداز سے پورا کرنے کے لیے ریاضی، فنِ صنعت، فنِ زراعت اور اقتصاد و تجارت وغیرہ کی تعلیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کو علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ ان دوسرے فنون میں بھی مہارت حاصل کرنا چاہیے جو دنیاوی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ ہیں، جیسے کمپیوٹر سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ، میتھ میٹکس (Mathematics) ایگریکلچرل (Agricultural) اور انڈسٹریل سائنس (Industrial Science) وغیرہ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ مذہب پر کاربند رہتے ہوئے اور دین کا ضروری علم حاصل کرنے کے بعد ان فنون کو بھی سیکھیں جو اسلامی شریعت اور اسلامی قواعد کے مخالف نہ ہوں، چنانچہ جو ان فنون کو اس مقصد سے سیکھے کہ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے لیے نافع بنے گا تو وہ ماجور ہوگا اور اس شخص سے افضل ہوگا جس نے موقع ہونے کے باوجود بیکار سمجھ کر نہیں سیکھا۔ اسی طرح میڈیکل، انجینئرنگ اور دوسرے فنون کا مسئلہ ہے۔ جسے دینی علوم پر رسوخ حاصل ہے اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ پر بھی عبور ہے اور وہ اس کا استعمال شریعت کے دائرے میں رہ کر (یعنی جاندار کی تصاویر و آویزاں کیے بغیر، اپنی نگاہوں کی

حفاظت کرتے ہوئے، اپنے قیمتی اوقات زندگی کو ضائع ہونے سے بچاتے ہوئے، وغیرہ وغیرہ) کلمہ حق کو پورے عالم میں پہنچانے کی غرض سے کر رہا ہو تو وہ ان سے بہتر ہے جو اپنی فیملی اور اپنی اولاد سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی پیاری بات فرمائی: ”إِنَّ هَذَا الْخَيْرَ خَزَائِنُ وَتِلْكَ الْخَزَائِنُ مَفَاتِيحُ، فَطُوبَى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللَّهُ مَفْتَحاً لِلْخَيْرِ، مَغْلَقاً لِلشَّرِّ، وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللَّهُ مَفْتَحاً لِلشَّرِّ، مَغْلَقاً لِلْخَيْرِ“ (ابن ماجہ) بلاشبہ یہ خیر خزانے ہیں، تو خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اللہ نے خیر کو کھولنے والا اور شر کو بند کرنے والا بنایا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کو اللہ نے شر کو کھولنے والا اور خیر کو بند کرنے والا بنایا۔

قوانین الہیہ کی پابندی کرتے ہوئے معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے واسطے قوم کے افراد کا اپنی اپنی پسند اور طبعی رجحان کے مطابق ایک تخصص (Specialization) کا انتخاب کرنا بالکل فطری تقاضا ہے۔ صرف اس طرح پورا معاشرہ ایک مہذب، محقق اور بے مثال معاشرہ بن پاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَن فِئْهَا إِلَّا ذَكَرَ اللَّهَ، وَمَا وَالَاةُ، وَعَالَمٌ أَوْ مَتَعْلَمٌ“ (سنن ترمذی)۔ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہے، مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیزیں جو اللہ سے قریب کریں (یعنی نیک عمل) اور عالم اور متعلم (طالب علم)۔ اس کا اثر تمام اسلامی دنیا پر پڑا، چنانچہ علم

و معرفت کے مختلف میدانوں میں ایک وسیع پیمانہ پر اس طرح کی سرگرمیاں مشاہدے میں آئیں جن کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے، مسلمان علماء کے ذریعہ ایک تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی اور انسانیت کو شان دار علمی ذخیرہ میسر آیا۔ ہمارے اسلاف نے نہ صرف علوم و فنون کی قدر و قیمت کو پہچانا بلکہ انہیں ان کی حیثیت کے مطابق اسلامی معاشرے میں جگہ دی۔ دنیاوی فنون کی قدر دانی بھی کی مگر علوم اسلامی کو نسل انسانی کی دنیاوی اور اخروی کام یابی کے لیے لازمی حیثیت دی۔ معاشرے کا مرکز یعنی مساجد تعلیمی حلقوں سے پُر رہا کرتی تھیں، مدارس و جامعات قائم کیے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ دس صدیوں تک اس دنیا کے اساتذہ تھے، مغربی دنیا نے ان سے علوم بھی اور فنون بھی حاصل کیے مگر اپنی متعین کردہ ترجیحات کے مطابق اپنی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔

مسلمان اپنے تابناک ماضی کی عزت و شرف کو تبھی واپس پاسکتے ہیں جب اسلاف و اکابرین کے نقش قدم پر چلیں، ہمارے اسلاف نے اسلام کو اپنی زندگیوں میں اپنایا اور شرف و عزت والے کہلائے، دشمنانِ اسلام پوری طاقت کے ساتھ ان پر یلغار کرتے، مگر منہ کی کھاتے، انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے علم الہی کو وسیلہ بنایا اور افسوس کہ ہم نے علم الہی کو چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ ان فنون پر مرکوز کر دی جن کا دنیا میں تو فائدہ ملنے کا امکان ہوتا ہے، مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

مختصراً یہ کہ ماضی کی شرف و عزت کا حصول علم شرعی اور علوم دنیوی کے حصول پر ہی موقوف ہے۔

در حقیقت اسلام جہاں معاشے ترقی کا خواہاں ہے، وہاں دینی، روحانی اور اخلاقی ہدایات کا معلم بھی ہے، اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کر کے فلاحی نظام معیشت کا قیام ممکن نہیں ہے۔

# اسلامی نظام تجارت و معیشت

## دور جدید کی معاشیات

محمد احمد ترازوی کراچی

پسماندگی میں مبتلا ہوتی ہیں اور تعلیم و صحت اور دیگر معاشرتی مفید کاموں میں خرچ نہیں کر پاتی، جبکہ اسلام نے اس بات کو بڑی اہمیت دی کہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں تک محدود نہ رہے، بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو کر گردش میں رہے۔

دین اسلام میں نفع کا بھی ایک جائز فطری تصور موجود ہے اور نفع خوری کی مد میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ ایک غیر فطری چیز ہے، خود پیسوں سے پیسے پیدا نہیں ہو سکتے، جبکہ سود خور یہ فرض کر کے نفع یعنی سود وصول کرتا ہے کہ اس کے پیسوں سے لامحالہ پیسوں میں اضافہ ہوگا، اسی طرح اسلام میں انسانی محنت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، فطری اصول یہ ہے کہ جب تک مال کے ساتھ انسانی محنت کی شمولیت نہ ہو، وہ منافع بخش نہیں ہوتا، اسی اصول پر اسلام میں استثمار کے طریقوں میں

نہ نیچے۔“ اسلامی تعلیمات کی رو سے جو شخص مسلمانوں کے بازار میں تجارتی کاروبار کرتا ہے اس میں کچھ مشخص صفات و خصوصیات کا ہونا بہت ضروری ہے، یعنی اس میں خرید و فروخت کی عقل موجود ہو اور وہ (صاحبِ فقہ) خرید و فروخت کے احکام کا علم رکھتا ہو۔ اسلام معیشت کے بارے میں یہ بنیادی تصورات فراہم کرتا ہے کہ کسب و صرف یعنی مال کا حاصل کرنا اور اس کا خرچ کرنا اس طور پر ہو کہ وہ افراد اور سماج کیلئے نفع بخش ہو، نقصان دہ نہ ہو، اسلام نے ایسی چیزوں کی تجارت سے منع کیا جو لوگوں کیلئے نقصان دہ ہو، جیسے نشہ آور منشیات وغیرہ۔ اسلام تجارت میں احتکار سے منع کرتا ہے، اسی طرح خرچ کرنے میں بھی فرد اور سماج کے نفع و نقصان کو ملحوظ رکھا گیا ہے، فضول خرچی کی ممانعت اس لیے کی گئی کہ اس سے قومیں معاشی

زندگی میں تجارت اور معیشت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اچھی و منافع بخش تجارت مضبوط اور مستحکم معیشت کو جنم دے کر ملک و قوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے، اسلام دین کامل ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں رہبری و رہنمائی کیلئے جامع اصول و قواعد فراہم کرتا ہے، تجارت و معیشت پر شارح اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی، تاکہ اس شعبے کو جھوٹ، دھوکہ دہی، ملاوٹ، جھوٹی قسمیں کھانے اور ذخیرہ اندوزی و منافع خوری جیسی تجارتی خرابیوں سے دور کیا جاسکے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”جو شخص (تاجر) خریدتا اور بیچتا ہے اسے پانچ خصلتوں یعنی ”سود اور قسم کھانا، مال کا عیب چھپانا، بیچتے وقت تعریف کرنا اور خریدتے وقت عیب نکالنے“ سے دوری اختیار کرنا چاہئے، ورنہ نہ وہ ہرگز خریدے اور

مضاربت اور مزارعت شامل ہے، مضاربت میں ایک شخص کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت اور مزارعت میں ایک شخص کی زمین ہوتی ہے اور دوسرے کی محنت، دونوں صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ فریقین کی رضامندی ہو اور یہ کہ محنت کار کے نفع کا تناسب زیادہ رکھا جائے۔ اسلام کے پورے نظام حیات میں اس بات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ کوئی ایسا عمل نہیں ہونا چاہئے، جو فطرت سے بغاوت پر مبنی ہو، اسی لیے تلقی جلب، بیع حاضر للبادی، تاجش اور احتکار وغیرہ کو منع کیا گیا، کیوں کہ ان تمام صورتوں میں قیمتوں میں غیر فطری اتار چڑھاؤ پیدا کیا جاتا ہے، آج کل تشہیری وسائل اور ترغیبی اشتہارات کے ذریعہ مصنوعی طور پر چیزوں کی طلب بڑھائی جاتی ہے، یہ بھی اسلام کی نظر میں پسندیدہ عمل نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت میں جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے سے منع فرمایا ہے اور کسی چیز کے فائدہ کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا اور اُس کے نقصانات کے پہلو پر پردہ ڈالنا بھی جھوٹ میں داخل ہے، جس کا زبردست مظاہرہ موجودہ دور کے اشتہارات میں ہمیں نظر آتا ہے۔

دنیا میں اسلام کے نظام معیشت کے مقابلے میں دو بڑے معاشی نظام وجود میں آئے، ایک اشتراکیت دوسرا سرمایہ دارانہ نظام۔ اشتراکیت نے ستر سالہ تجربہ کے بعد اپنی ہی جائے پیدائش میں دم توڑ دیا اور اگر آج کہیں باقی بھی ہے تو وہاں اُس نے اپنے بعض بنیادی تصورات سے ہی سبکدوشی قبول کر لی ہے، اشتراکیت کے مقابلے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ بنیادی ضرورتیں سب کو مہیا ہوں، لیکن یہ

ضروری نہیں کہ معاشی معیار بھی سب کا ایک جیسا ہی ہو، اسی طرح اسلام انفرادی ملکیت کا قائل ہے، لیکن افراد پر اس بات کو واجب قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے مال میں سماج کا حق محسوس کریں اور مفلس و نادار طبقے کی مدد کریں، زکوٰۃ اور صدقات و خیرات اسی کی مختلف اشکال ہیں، ساتھ ہی شریعت اسلامی میں زیادہ تر قدرتی وسائل کو حکومت کی ملکیت قرار دیا گیا ہے، تاکہ اُس کا نفع زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام بھی اس وقت موت و زیست کی کیفیت میں مبتلا ہے، اس نظام نے افراد کو ایسا بے لگام بنادیا کہ اُن کیلئے کوئی اخلاقی سرحد نہیں رہی، سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے بڑی خرابی سود اور قمار کی اجازت ہے، جو نفع حاصل کرنے کے غیر فطری طریقے ہیں، اس میں مال کو مبالغہ آمیز اہمیت دی جاتی ہے اور مزدوروں کی محنت کا کوئی خاص درجہ مقرر نہیں، یہ نظام ذخیرہ اندوزی کی اجازت دیتا ہے، جو معاشرے کے غریب لوگوں کے ساتھ ظلم ہے، اس میں مصنوعی طور پر صارفیت کو بڑھایا جاتا ہے اور اشتہارات اور بے جا ترغیبات کے ذریعہ معاشرے کا مزاج بنایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضروریات پر قانع نہ رکھے، بلکہ خواہشات کا غلام بن جائے اور اپنی صلاحیت سے زیادہ خرچ کرے، تاکہ سرمایہ داروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے، اب چاہے غریب و نادار طبقے کے لوگ قرض اور فضول خرچی کے بوجھ کے نیچے دب کر ہی کیوں نہ مر جائیں۔

جبکہ اسلام کے معاشی نظام انسانیت کی حقیقی فلاح و بہبود اور معاشی اعتبار سے عدل کے قیام کا مظہر ہے، اسلام نے مثبت طور پر رزق کی جدوجہد کی ترغیب

دی اور اسے ہر مسلمان پر فرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے کہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسایہ کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اُٹھے گا تو اُس کا چہرہ چودہویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔“ اسلامی معاشیات کا ایک اساسی اصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کیلئے معاشی سہولتیں فراہم کی جائیں، قدرت کے ودیعت کردہ وسائل کو ترقی دی جائے، رزق کے مخزنوں کو چند ہاتھوں میں اس طرح مرکوز نہ ہونے دیا جائے کہ دوسروں پر اُس کے دروازے بند ہو جائیں۔ اسلام کے معاشی نظام کے مثبت معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے، اسلام سب کو حصول رزق کے مواقع عطا کرنے اور مثبت طور پر ایسی حکمت عملیاں بنانے کی تاکید کرتا ہے، جس سے غربت و افلاس ختم ہو اور انسانوں کو اُن کی بنیادی ضروریات لازماً حاصل ہوں اور اُن تمام ذرائع کو ممنوع قرار دیا ہے جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں، اسلام محض افلاس، غربت، معیار زندگی کے گرنے کے خطرات اور قلت وسائل کے غوغاء سے انسان کشی اور نسل کشی کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا، قرآن واضح تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ”تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی اُن کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، اُن کا مارنا بڑی خطا ہے۔“ درحقیقت اسلام کا مزاج



مغرب کی تمام معاشی تحریکات سے منفرد اور جداگانہ ہے، وہ ہر فرد اور پوری اُمت کی توجہ کو معاشی وسائل کی ترقی اور پیداواری امکانات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے میں مرکوز کرتا ہے، معاشرت میں انصاف اور آزادی کے قیام کے ساتھ ساتھ غربت و افلاس کا انسداد کر کے بہتر معاشی زندگی کا قیام ممکن بناتا ہے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں رزقِ حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے، وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کے مساعی ہوں گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”کسی نے بھی اپنے ہاتھ کے کمائے ہوئے عمل سے زیادہ بہتر طعام نہیں کھایا، اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔“ اسلام نے معاشی جدوجہد کو حلال و حرام کا پابند کیا ہے، یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے دور جدید کی معاشیات قطعاً نا آشنا ہے، اسلامی معیشت میں صرف کی تکثر کی جگہ اس کے نسب سطح کا حصول پیش نظر رہتا ہے اور ایک حقیقی فلاحی معیشت ظہور میں آتی ہے، اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ”حرمت ربوا“ ہے، جو معاشی ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اسلام نے سود کو اس کی ہر شکل میں حرام قرار دیا ہے اور اس کے لینے والے کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے، درحقیقت اسلام نے تجارتی اخلاقیات کا ایک ضابطہ پیش کیا ہے، اسلام تجارتی لین دین میں دیانت داری اور خدا ترسی کے جذبات کو فروغ دیتا ہے اور اُن تمام ذرائع کو ممنوع قرار دیتا ہے جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں، اسلام

تجارت کے سلسلے میں باہمی آزاد و رضامندی کی تلقین کرتا ہے۔ تجارت کی بنیاد تعاون باہمی پر ہے، اس کے ساتھ ساتھ دیانت، جائز اور مباح کی تجارت، ذخیرہ اندوزی کی ممانعت، اسراف کی بندش بھی عائد کرتے ہوئے کہتا ہے، ”کلوا واشربوا ولا تسرفوا“ کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو۔ اسلام دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں کرتا اور اس بات کا انصرام کرتا ہے کہ مختلف معاشرتی، اداری، قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور پورے معاشرہ میں گردش کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اپنا مال اُن لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے۔“

درحقیقت اسلام جہاں معاشی ترقی کا خواہاں ہے، وہاں دینی، روحانی اور اخلاقی ہدایات کا معلم بھی ہے، اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کر کے فلاحی نظامِ معیشت کا قیام ممکن نہیں ہے، اسی لیے اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان حصولِ مال کی خاطر شتر بے مہار بن جائے اور حلال و حرام کا امتیاز ہی ختم کر ڈالے، آج اسلامی تعلیمات سے نا آشنا بعض حلقے یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ معیشت و تجارت کے بارے میں اسلامی احکام پر عمل کرنے سے ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اور ہم معاشی اعتبار سے بہت پیچھے رہ جائیں گے، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقی اور دیر پا ترقی کیلئے تجارتی سرگرمیوں کو مناسب اصول و ضوابط کے دائرہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے، اقتصادی ماہرین کے نزدیک ہمارے موجودہ معاشی و اقتصادی بحران کا بنیادی سبب معاشی سرگرمیوں کا اخلاقی قیود اور

پابندیوں سے مستثنیٰ ہونا ہے، اگر یہ ناقدین اسلام کے تجارتی احکام کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیں تو خود گواہی دیں گے کہ اسلامی طریقہ تجارت میں شتر بے مہار آزادی، ہوس، مفاد پرستی اور خود غرضی کو کنٹرول کرنے کا شاندار نظام اور طریقہ کار موجود ہے جو معاشرے کے اجتماعی مفادات کا تحفظ کرتا ہے اور معاشی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کو روکتا ہے، آج بھی ہم اپنی تجارت و معیشت کو اسلام کے ان جامع اصولوں کی روشنی میں صحت مند بنیادوں پر استوار کر ایک مضبوط و مستحکم معیشت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، یاد رکھیں جب تک کسی معاشرہ کے معاشی اور مالی معاملات مناسب اصول و ضوابط کے پابند نہ ہوں، اُس وقت تک اس معاشرہ کی منصفانہ تشکیل ممکن نہیں ہو سکتی۔

## ایک قید ضروری ہے !

اس دنیا سے جاؤ گے، تو ایک عجیب واقعہ ہوگا۔ یا تو تم ایک قید خانے سے چھوٹو گے اور اپنے سامنے کھلی فضا پاؤ گے۔ یا پھر تم ابھی آزاد پھرتے ہو اور یہاں سے نکلتے ہی ایک قید خانے میں چلے جاؤ گے۔ ایک قید ضروری ہے خواہ یہاں کاٹ لو یا وہاں ! یہاں عمل اور بندگی کی قید ہے اور چند دنوں کی ہے۔ وہاں بے بسی اور جہنم کی قید ہے، البتہ وہاں کے دن بہت لمبے ہیں۔

چاہو تو یہاں کاٹ جاؤ اور چاہو تو وہاں، جہاں کٹے گی نہیں۔

(امام ابن القیم)

اور انسان کی لیے اس سے بڑی ذلت و رسوائی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ دوسرا انسان اس کے لیے قانون بنائے۔

یہ دیکھ کر کلیسا کو جوش آیا تو اس نے انسان کو تمام برائیوں سے پاک کر کے فرشتہ بنانے کی ٹھان لی۔

# راہِ اعتدال

قسط ۲

حافظ کاشف مجاہد

اس سے بڑی ذلت و رسوائی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ دوسرا انسان اس کے لیے قانون بنائے۔ اگرچہ وہ قانون ساز اس کا دنیاوی آقا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تھی مغرب کے جاگیردارانہ نظام کی صورت میں ایک انتہا۔ آئیے اب مغرب کے معاشی نظام کی دوسری انتہا ملاحظہ فرمائیں: سرمایہ دارانہ نظام! فرد کی بے قید آزادی نے سرمایہ داری کو جنم دیا جس نے ملعون سودی نظام سے ابتداء کی۔ رفتہ رفتہ سود سرمایہ داری میں اس طرح سرایت کر گیا کہ سود ہی جدید جاہلی اقتصادیات کی بنیاد بن گیا اور بالآخر اخلاقی، اجتماعی اور انسانی اقدار بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ اب اقدار کو یہ حق حاصل نہیں رہا کہ اقتصادی قوانین میں دخل دے سکے اور اس مجنونانہ مسابقت کو روک سکے جو محنت کشوں کی محنت کے نتیجہ

ہو رہا تھا، وہی کسانوں کے لیے قانون بنا دیا اور ان کے لیے زمین اور آپس کے تعلقات کی تجدید کرتا۔ مندرجہ بالا دو خصوصیات اس نظام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ مغرب اس بدترین نظام کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا، جس میں انسان کی کوئی قیمت نہ تھی انسان جانوروں اور سامانِ ذراعت کی طرح نئے مالکوں کو منتقل ہو جاتا تھا، اسے زمین سے علیحدہ اپنے کسی مستقل وجود کا احساس تک نہ تھا، وہ زمین چھوڑ کر کسی دوسری جاگیر میں بھی نہ جاسکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اسے قانوناً مفرو تصور کیا جاتا اور اسے پکڑ کر دوبارہ سابقہ زمین میں بھیج دیا جاتا۔ جاگیرداری نظام میں انسان کی عزت یوں بھی پامال تھی، کہ وہ اپنے مالک کے ارادہ کا غلام تھا۔ اس کے لیے جاگیردار کی زبان ہی قانون تھا اور انسان کی لیے

آئیے، یہاں مغرب کے معاشی نظام کا ایک رخ، ایک انتہا ملاحظہ کیجیے: جاگیردارانہ نظام! مغرب کا جاگیردارانہ نظام صرف بڑی بڑی ملکیتوں کے وجود کا نام نہیں ہے بلکہ اس نظام کی علیحدہ خصوصیات تھیں۔

اس نظام کی اہم ترین خصوصیات

(۱) انسان زمین کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ان کی حیثیت ایسے تھی جیسے آلاتِ ذراعت اور حیوان۔ وہ زمینِ آلاتِ ذراعت اور حیوانات کے ساتھ نئے مالک زمین کو منتقل ہو جاتے تھے۔ چونکہ وہ زمین کے ساتھ بندھے ہوتے تھے اس لیے وہ نہ دوسری زمین میں جاسکتے تھے اور نہ آزادی سے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔

(۲) جاگیردار اپنی جاگیرداری کا قانون ساز ادارہ

ہے جنہیں بورژوا کہا جاتا ہے۔ سرمایہ داری نظام کی ساری برائیاں سود کی پیدا کردہ ہیں، سود ہی کی بنا پر

انسان کو کلیسا نے جب فرشتہ بنانے کی کوشش کی تو یہاں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دوسرا فریق

اسے راہ اعتدال پر لاتا یعنی اسے انسان بنانے کی کوشش کرتا۔ مگر یہ نہ ہوا بلکہ دوسرے

فریق نے اسے ہر قید سے آزاد کر کے حیوان بنانے کی ٹھان لی

عریاں کلب اور انجمنیں، غرض بے حیائی اور عیاشی کے وہ تمام مظاہر جن پر موجودہ دور کی سینکڑوں صنعتیں قائم ہیں۔ سب کی سب سرمایہ داری کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ ان تمام صنعتوں کی تائید اور حمایت کے لیے سرمایہ داری مختلف فلسفوں اور نظریات کا سہارا لیتی ہے اور اساتذہ، ادباء فنکاروں، قانون دانوں اور حکومتی نظاموں کو ان کی تائید و توثیق پر لگا دیتی ہے، جس کے نتیجے میں معاشرے میں حیا اور اخلاق نام کا جنازہ انسان خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر دفن آتا ہے۔ تو صاحبو! یہ ہے وہ مختصر سا خاکہ ان مغربی نظریات کا جن میں کبھی اعتدال پیدا نہیں ہوا مغرب میں ہمیشہ ایک مرض کی تشخیص دوسرے مرض سے ہوتی رہی۔ مثلاً: انسان کو کلیسا نے جب فرشتہ بنانے کی کوشش کی تو یہاں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دوسرا فریق اسے راہ اعتدال پر لاتا یعنی اسے انسان بنانے کی کوشش کرتا۔ مگر یہ نہ ہوا بلکہ دوسرے فریق نے اسے ہر قید سے آزاد کر کے حیوان بنانے کی ٹھان لی۔ غرض مغربی فلسفیوں نے بہت کم راہ اعتدال کے بارے میں سوچا اور جنہوں نے سوچا بھی تو انہیں یا تو مذہب کے ساتھ نتھی کر کے دفن کر دیا جاتا یا پھر سائنس کے ساتھ جوڑ کر سمندر برد کر دیا جاتا۔ یہی وہ دو انتہائیں ہیں جہاں مغرب ہمیشہ بھٹکتا رہا۔ اہل روم کی عیش پسندی، فاشی، عریانی اور اخلاق سے عاری

تمام انسانی محنتوں کا حاصل دولت خانوں کے مالکیں، بینکوں کے مؤسس اور تاسیسی بونڈز رکھنے والوں کی ایک معمولی سی جماعت کو مل جاتا ہے۔ اب آئیے! اس پر نظر کرتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے اخلاقی قدریں کیوں کر پامال ہوتی ہیں؟ جو شخص کاروبار کے لیے سودی قرضے لیتا ہے اس کی فکر یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع بخش کاروبار کرے تاکہ سودی منافع بھی ادا کیا جاسکے اور اسے اپنا منافع بھی بچ رہے چنانچہ کاروبار میں جنسی ہیجان پیدا کر کے اس کی تسکین کے سامان مہیا کیے جائیں اور جو عیش کوشی کے جذبات پیدا کر کے انہیں پورا کرے۔ مذہبی اور اخلاقی میلانات سے عاری دنیا میں یہ کاروبار سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ سرمایہ کار، رد و بدل کرنے والے دولت خانوں کے مالکیں، بینکوں کے مؤسسین اور تاسیسی بونڈز کے حصہ دار جو اکثر یہودی ہیں اور وہ کاروباری لوگ جو سودی قرضے لیتے ہیں۔ ان سب دو تہندوں کی سیاست یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں اخلاقی زوال، عیش، فیشن پرستی اور نت نئے تکلفات کو رواج دیا جائے تاکہ جنسی عیاشی کے مختلف ساز و سامان، آسائشات اور لذتیں رواج پائیں اور ان پر کوئی فطری یا اخلاقی قید باقی نہ رہ سکے۔ عریاں فلمیں، ہیجان انگیز رقص گاہیں، بے

میں سرمایہ کو اور سرمایہ دارانہ مصلحتوں کو عظیم تر کرتی چلی جا رہی ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک صورتحال یہ ہے کہ اس سرمایہ دارانہ نظام نے کان کن، صنعت کار، تاجر اور کارخانہ دار، سب کے سب سرمایہ کو حرکت دینے والے ان افراد کے اجیر اور کارندے بن گئے ہیں۔ جو بینک قائم کرتے ہیں اور حصہ داروں اور جمع کرنے والوں کا سارا سرمایہ بینکوں میں کھینچ لیتے ہیں، تاکہ اس سرمایہ کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر سکیں۔ کیوں کہ جو سرمایہ وہ کاروبار میں لگاتے ہیں اسکی ساری آمدنی انہیں کو ملتی ہے اور نہایت معمولی رقم حصہ داروں اور امانت داروں میں تقسیم کی جاتی ہے، جبکہ مزدور، صنعتکار، تاجر اور کارخانہ دار سب کی محنتیں سودی منافع کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہیں، جو بالآخر سرمایہ داروں کی اس مختصر سی ٹولی میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جو صنعتوں اور تجارتوں میں قرضے دیتے ہیں اور سب کی محنتوں اور ثمرات پر قابض ہو جاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی یہ ظاہری خرابی نہیں ہے جس پر تنقید کی جائے، کہ قومیں اور حکومتیں سرمایہ داری کی مصلحتوں کے تابع ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ایک طبقہ ایسا موجود ہے کہ قومیں اور حکومتیں اس کے تابع ہیں۔ یہ طبقہ معاشی نظریات، پروپیگنڈہ کے وسائل، اساتذہ جامعات قوانین اور ضابطوں میں دبا ہوا ساری دنیا میں موجود ہے۔ یہ سود خوروں کا طبقہ ہے جو قرض دینے والے بینک قائم کرتا ہے اور ان کے تاسیسی بونڈز کا مالک ہوتا ہے۔ یہ طبقہ ان چھپے ہوئے دولت خانوں کا مالک ہے، جہاں ساری انسانی جدوجہد کا حاصل پہنچ جاتا ہے۔ اس جدوجہد میں کارخانہ داروں اور تاجروں کی محنت بھی شامل ہوتی



معاشرہ جو انسان کو بالکل ہی جانور بنا دینے کی ایک بیکار کوشش تھی اور فطرت سے بغاوت تھی۔ یہ دیکھ کر کلیسا کو جوش آیا تو اس نے انسان کو تمام برائیوں سے پاک کر کے فرشتہ بنانے کی ٹھان لی جس میں کلیسا نے اعتدال کی روش کو چھوڑ کر انتہا کو چھولیا، پھر انسانوں کو رہبانیت کی طرف دھکیل دیا اور انسان کی ضروریات زندگی کے کئی اہم پہلوؤں سے انکار کر دیا۔ کلیسا کا دو سو سالہ دور انسان کو فرشتہ تو نہ بناسکا مگر اس کے جو برے اثرات انسانوں پر مرتب ہوئے وہ بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ادھر کلیسا لوگوں کو فرشتہ بنانے میں مصروف رہا اور ادھر پھر سے انسان کو حیوان بنانے کی فکر پرورش پا رہی تھی۔ آخر کار فطرت سے بغاوت کا خمیازہ کلیسا کو بھگتنا پڑا اور پھر مرض کا علاج مرض سے نکال لیا گیا۔ ہاں یہ مرض وہی ہے جو آج پھر انسان کو جانور دیکھنا چاہتی ہے، جو بے حیائی سے پُر، حیا سے عاری معاشرہ دیکھنا چاہتی ہے، جو انسان کو پیسے کی مشین دیکھنا چاہتی ہے، جو انسان کو اخلاق نام تک سے چڑ دلاتی ہے، جو عفت، عزت، آبرو، تقدس اور غیرت جیسے ناموں تک سے ناواقف کرنا چاہتی ہے، جو اللہ، رسول (ﷺ) اور مذہب کے نام سے ایسے بھاگتی ہے جیسے بے لگام، پاگل گدھا اپنے مالک سے۔ سوائے مسلمانو! اس تہذیب کی زندگی کے دن بھی گئے جا چکے ہیں، اس نے بھی فطرت سے سرکشی کی انتہا چھو لی ہے۔ اس کو اسکی سرکشی کی سزا ضرور ملنی ہے۔ جو اللہ انسان اور کائنات کا خالق ہے، اس کے قانون سے بغاوت کی سزا اب اسے ملنے کو ہے۔ کیونکہ اللہ کبھی اپنے بندوں کو ایسے ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا اور یہ اللہ کی سنت ہے، چنانچہ

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بِبَعْضٍ لَّفُسِدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَيَّ الْعَالَمِينَ“

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض بعض کے ذریعہ تو زمین میں فساد ہو جاتا اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ (سورہ بقرہ، ۲۵۱)۔ ہاں مگر ہم نے کیا کرنا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ اور اس سوال کا جواب بہت آسان

پھر تم کئی صدیاں یونہی گمنام راہوں میں بھٹکتے رہو۔ اپنی منزل سے بہت دور چلے جاؤ۔ مگر اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تم انسانوں کے لیے انسان کے بنائے ہوئے قانون پر ایمان لا کر مٹی میں مل چکے ہو گے

ہے۔ کہ ہم ان فلسفیوں اور سائنسدانوں کی باتوں میں نہ آئیں جو انسانیت کو کہیں گمنام راہوں میں گھسیٹ گھسیٹ کر تھکا چکے ہیں۔ شاید اب کی بار پھر تمہارے سامنے کوئی نیا لینن مارکس، اسٹالن، ڈارون وغیرہ نام بدل کر آئے اور کوئی نیا فلسفہ تمہارے ہاتھ میں تھما دے اور پھر تم کئی صدیاں یونہی گمنام راہوں میں بھٹکتے رہو۔ اپنی منزل سے بہت دور بہت دور چلے جاؤ۔ مگر اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تم انسانوں کے لیے انسان کے بنائے ہوئے قانون پر ایمان لا کر مٹی میں مل چکے ہو گے۔ اس لیے آج وقت ہے انسانوں کے لیے انسان کے بنانے والے کے قانون کی طرف لوٹ آؤ۔ چھوڑ دو ہیکسل، ڈارون، کارل مارکس کو۔ کیوں مشرق و مغرب کی

ٹھوکریں کھا رہے ہو؟ آؤ زمین کے وسط (قبلہ) کی طرف، تمہارا قبلہ نیویارک، واشنگٹن یا ماسکو نہ ہو بلکہ اللہ کا گھر (بیت اللہ) ہو، میرے نبی (ﷺ) نے تمہیں کیا نہیں دیا جو دوسروں کے پاس تلاش کرتے ہو، وہ تو تمہارے لیے اتنی خوبصورت اور اعتدال والی راہ (نظام اسلام) لے کر آئے ہیں۔ آؤ اپنے پیارے نبی (ﷺ) کی طرف جو تمہیں سائنس سے نہیں روکتے مگر جانور بننے سے ضرور روکتے ہیں۔ جو تمہیں فرشتہ نہیں بلکہ فرشتوں سے افضل دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے تو میرے نبی (ﷺ) کی تعلیمات میں جہاں عبادات کو اہمیت حاصل ہے وہیں معاملات پر بھی بھرپور توجہ دی گئی اور ترک دنیا سے منع فرمایا ہے۔ اس میں انفرادیت کا بھی خیال رکھا گیا اور اجتماعیت کا بھی۔ آپ (ﷺ) کی تعلیمات میں بیک وقت دنیا کو بھی مد نظر رکھا گیا اور آخرت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ عورت کے حقوق بھی بیان کیے اور مرد کے حقوق بھی سوائے مسلمانو! پلٹ آؤ اپنے نبی پاک (ﷺ) کی طرف۔ وہی تمہارا آئیڈیل ہو کوئی اور نہیں! اور یاد رکھو! اگر کوئی عبد اللہ اور عبد الرحمن نہ جاگے اور راہ اعتدال کی طرف نہ لوٹے تو پھر سن لو! اللہ کسی ”لیکسس کیرل“ سے وہ کام لیگا جسے تم بھول بیٹھے۔ سنیے اسی ڈاکٹر لیکسس کیرل سے جو مغرب کی کشتی میں سواروں اور ملاح کو بہت قریب سے جانتا ہے اور وہ اس سفر کے ہولناک منظر کو یوں پیش کرتا ہے: ہمیں یہ معلوم ہے کہ ٹیکنالوجی نے جو ماحول بنایا ہے انسان اس سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کر سکتا اور یہ ماحول اب رو بہ زوال ہے۔ موجودہ حالت کی ذمہ داری سائنس اور

# حریم شریفین کی عبادت

## اور جہاد فی سبیل اللہ



حافظ تمیم خالد

عبد اللہ بن مبارکؓ نے جبکہ وہ طرسوس اسلامی ہوتی ہیں۔  
 سرحدوں پر حالت رباط میں تھے انہوں نے یہ  
 اشعار ۱۷۱ھ میں فضیل بن عیاضؒ جو عابد الحرمین  
 کے لقب سے مشہور تھے ان کے نام لکھے  
 ذیل میں وہ اشعار مع ترجمہ پیش خدمت ہیں۔  
 يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ أَبْصَرْتُنَا  
 اے حریم شریفین کے عابد!  
 اگر آپ ہم مجاہدین کو دیکھ لیں،  
 لَعَلِمْتَ أَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ  
 تو آپ جان لیں گے کہ آپ تو عبادت کے  
 ساتھ کھیل رہے ہیں۔  
 مَنْ كَانَ يُخْضِبُ خَدَّيْهِ مَوْعَهُ  
 اگر آپ کے آنسو آپ کے رخساروں کو تر  
 کرتے ہیں،  
 فَنَحْنُ زُنَادٍ مَائِنًا تَتَخَضَّبُ  
 تو ہماری گردنیں ہمارے خون سے رنگین  
 ہوتی ہیں۔  
 أَوْ كَانَ يُتَعَبُ خَيْلُهُ فِي بَاطِلٍ  
 اور لوگ اپنے گھوڑے کو فضول کاموں میں  
 تھکاتے ہیں،  
 فَخَيْلُ لَنَا يَوْمَ الصَّبِيحَةِ تَتَعَبُ  
 مگر ہمارے گھوڑے تو حملے کے دن تھکتے ہیں۔  
 رِيحُ الْعَبِيرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيرُنَا  
 عنبر وزعفران کی خوشبو آپ کو مبارک ہو، جبکہ  
 ہماری خوشبو تو،  
 رَهْجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْأَطْيَبُ  
 گھوڑے کے کھروں سے اڑنے والی مٹی اور اللہ  
 تعالیٰ کے راستے کا پاک غبار ہے۔  
 وَلَقَدْ أَتَانَا مِنْ مَّقَالِ نَبِيِّنَا  
 ہمیں اپنے نبی ﷺ کا ایک فرمان پہنچا ہے،  
 قَوْلٌ صَوِيحٌ صَادِقٌ لَا يَكْذِبُ  
 ایسا فرمان جو درست، سچا اور ناقابل تردید ہے۔

لَا يَسْتَوِي غُبَارُ خَيْلِ اللَّهِ فِي  
 جمع نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ کے راستے کی مٹی  
 أَنْفِ امْرَأَةٍ وَدُخَانُ تَارٍ تَلْهَبُ  
 اور جہنم کی بھڑکتی آگ کسی شخص کی ناک میں۔  
 هَذَا كِتَابُ اللَّهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا  
 یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے درمیان  
 اعلان فرما رہی ہے،  
 لَيْسَ الشَّهِيدُ بِمَيِّتٍ لَا يَكْذِبُ  
 شہید مردہ نہیں ہوتا، یہ فرمان بلاشبہ سچا ہے۔  
 راوی کا بیان ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ  
 اللہ یہ اشعار پڑھ کر رو پڑے اور فرمایا ابو عبد الرحمن  
 عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بالکل سچ فرمایا اور  
 مجھے نصیحت کی۔  
 اللہ اکبر کہیں! کیا مقام تھا ان لوگوں کے  
 ہاں جہاد کا۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کوئی چھوٹے  
 آدمی تو نہ تھے، اپنے زمانے کے صف اول کے عابد

زاحد اور حریم شریفین کو اپنی عبادت اور آہ وزاری سے آباد رکھنے والے۔ لیکن ایک مرد قلندر کے ”جذبہ جہاد“ اور ”دعوت جہاد“ کو کس انداز سے داد تحسین دے رہے ہیں۔

اور پھر خود حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ”جہادی ذوق“ اور ”جہادی نظریہ“ ان کے ان اشعار سے خوب خوب واضح ہو رہا ہے، جہاد اور دیگر عبادات و ریاضات کے باہمی تقابل اور پُر اثر تحریض علی القتال کا جو حسین نقشہ آپ رحمہ اللہ نے کھینچا ہے، شاید ہی کوئی اور اسکی مثال پیش کر سکے۔

غور فرمائیے! حریم شریفین کی عبادت ہو، اور عبادت کرنے والا بھی کوئی عام آدمی نہیں ”فضیل بن عیاض رحمہ اللہ جیسا عابد الحرمین ہو، اور پھر اس کی اس عبادت کو ”جہاد“ کے مقابلے میں ”کھیل کود“ قرار دیا جائے، یہ کام صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا ”جہادی نظریہ“ پختہ ہو اور وہ قرآن و سنت کے ”جہادی مزاج“ سے آشنا ہو۔ ورنہ جو لوگ جہاد کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور جہاد کے بارے میں قرآن کے مزاج کو نہیں سمجھتے، وہ تو اکثر اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح اپنی ہر چھوٹی موٹی دینی خدمت کو جہاد، بلکہ ”جہاد اکبر“ قرار دے کر اصلی جہاد سے جان چھڑالیں، جہاد کے لغوی معنی کو لے کر ہر ”جدوجہد“ کو جہاد شرعی کا درجہ دینا اور پھر اسی پر مطمئن ہو کر ”حقیقی جہاد“ سے روگردانی کرنا بلکہ دوسروں کو بھی روکنا، یہ وہ خطرناک کینسر ہے جو ”امت مسلمہ“ کے اکثر بدن میں سرایت کر چکا ہے۔ عوام تو عوام، خواص بھی اس مرض کا شکار ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ پر کہ انہوں نے امت کے علماء و مشائخ کیلئے بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔

ذرا اندازہ کیجئے! کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر امام، حریم شریفین کی عبادت کو جہاد کے مقابلے میں محض ایک کھیل سمجھ رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے جہاد کو قرآن سے سمجھا اور پھر قرآن کے مزاج میں خود کو رنگنے کی کوشش کی، کیونکہ قرآن اعلان فرما رہا ہے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ برابر نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔ (سورۃ التوبہ 19)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا، ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا (افضل ہونا تو کجا!)

صاحب فتح الجواد حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

پچھلی آیت میں یہ سبق تھا کہ مجاہدین مساجد کی تعمیر کریں، انہیں آباد رکھیں اور ان کی حفاظت و تطہیر کریں یہ ان کی لازمی ذمہ داری ہے۔۔۔۔ اور اس

آیت میں یہ سبق ہے کہ مساجد کی آبادی حتیٰ کہ مسجد الحرام کعبہ شریف کی آبادی اور خدمت بھی جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہے۔۔۔۔ دراصل حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر و خدمت کرنا ایسے اعمال ہیں جن میں بے حد روحانی کشش ہے، اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان انہیں میں مشغول ہو کر جہاد سے منہ موڑ لیں، یہ کام بھی مسلمانوں نے خود ہی کرنے ہیں مگر ساتھ ساتھ انہوں نے فریضہ جہاد کو بھی زندہ رکھنا ہے، اور جہاد ان کاموں سے افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے غالباً اسی آیت کے مفہوم کو سامنے رکھ کر عابد الحرمین حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو وہ اشعار لکھے تھے جو مشہور عالم ہیں۔

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ أَبْصَرْتَنَّا لَعَلِمْتَ أَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلَعَبُ

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے بھی ان کے اس دعوے کی تصدیق فرمائی کہ جہاد فی سبیل اللہ بے شک زیادہ فضیلت والا عمل ہے، واللہ اعلم بالصواب (فتح الجواد جلد ۲ ص ۴۳۳)

یہ تو صرف ایک شعر کا حال ہے، اگر حضرت رحمہ اللہ کے تمام اشعار کو کھولا جائے اور ان کی توضیح و تشریح کی جائے تو دعوت جہاد اور نظریہ جہاد کا اچھا خاصہ مواد میسر آجائے، کیونکہ آپ رحمہ اللہ جہاں میدان جہاد کے شہسوار تھے وہیں میدان علم کے بھی امام تھے اس لیے آپ کی ہر بات جہاں ایک طرف سند کی حیثیت رکھتی ہے وہیں دوسری طرف اپنے پس منظر میں قرآن و سنت کی مضبوط بنیاد بھی رکھتی ہے۔

اے کاش! کہ اب بھی کوئی ”عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ“ ہوا کرے۔



# خدارا! اس کا تدارک کیجئے۔

ہماری خواب غفلت پر ۳۵ سال قبل لکھی گئی ایک تحریر

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید

کہ عذاب الہی نعت کی شکل میں نازل ہوا اور آدمی یہ محسوس ہی نہ کر پائے کہ وہ عذاب الہی میں گرفتار ہے۔ قرآن کریم میں ہے: فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ۔ (الانعام، ۲۴)

ترجمہ: پس جب انہوں نے بھلا دیا اس بات کو جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر اترنے لگے تو ہم نے ان کو ایسے طریقے سے پکڑا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا نافرمان ہو، اس کے باوجود اس کے جان و مال، عزت و آبرو اور اہل و عیال میں ترقی ہو رہی ہو، تو وہ شخص عذاب الہی

تو اللہ تعالیٰ درگزر ہی کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب مختلف شکلوں میں نازل ہوتا ہے، کبھی رزق کی تنگی کی شکل میں، کبھی لڑائی جھگڑا اور سر پھٹول کی صورت میں، کبھی پریشانی و بے اطمینانی کی شکل میں، کبھی آفتوں اور حادثوں کی شکل میں، کبھی بیماری اور دکھوں کی شکل میں، کبھی مقدموں اور عدالتوں کے چکروں کی شکل میں، کبھی فتنہ و فساد کی شکل میں، کبھی ظالم حاکموں کے تسلط کی شکل میں، کبھی قحط، وبا، طاعون، ہیضہ جیسی ہوشربا چیزوں کی شکل میں۔ الغرض جس طرح انسان کی بد اعمالیاں بے شمار ہیں اس طرح ان کی پاداش میں عذاب الہی نازل ہونے کی صورتیں بے شمار ہیں۔

عذاب الہی کی ایک شکل بہت خطرناک ہے جس کے سمجھنے میں لوگوں کو اکثر غلطی ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے

حق تعالیٰ شانہ کسی قوم پر اچانک عذاب نازل نہیں کرتا، بلکہ بار بار تنبیہ کی جاتی ہے اور مختلف طریقوں سے آگاہ کیا جاتا ہے، اس کے باوجود بھی جب وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتی تو عذاب الہی اپنی خوفناک شکل میں آتا ہے، اور اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، دنیا میں جتنے مصائب پیش آرہے ہیں وہ سب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے تنبیہات ہیں اور ہماری بد اعمالیوں کی پاداش ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (الشوریٰ، ۳۰)

ترجمہ:۔۔ اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی بدولت ہوتی ہے اور بہت سی باتوں سے

میں گرفتار ہے، جو اس پر نعمت کی شکل میں نازل ہو رہا ہے اور چونکہ اس کو یہ احساس بھی نہیں ہو پاتا کہ اس پر حق تعالیٰ شانہ کا عذاب نازل ہو رہا ہے، اس لیے اسے توبہ و انابت کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی اور وہ اپنی بد مستیوں اور خوش فعلیوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ انفرادی اعمال کی جزا و سزا تو انفرادی طور پر ملتی ہے لیکن پورے کا پورا معاشرہ یا اس کی مؤثر و غالب اکثریت کسی بگاڑ میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اس پر پورا معاشرہ قہر خداوندی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور اس وقت اگر کچھ اچھے لوگ بھی ہوں، مگر معاشرتی بگاڑ اور اجتماعی گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو ان کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔

ان امور کو سامنے رکھ کر آج ذرا اپنے معاشرے کا جائزہ لیجئے! ہم نے ایک عرصہ کی جدوجہد کے بعد یہ خطہ پاک اس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا کہ ہم یہاں ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں گے، جس میں احکام الہیہ کا نفاذ ہوگا اور مسلمانوں کی زندگی خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مقدسہ کے سانچے میں ڈھلے گی، ہم اپنے قول و فعل، عقیدہ و عمل، ظاہر و باطن اور قلب و قالب ہر لحاظ سے یکے سچے مسلمان بنیں گے، لیکن جو کچھ ہوا، اور جو کچھ ۲۳ سال میں ہم نے کیا اسے ہر شخص سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، بلاشبہ ہم نے فیکٹریاں بنائیں، انڈسٹریاں چلائیں، سڑکیں بنائیں، سرفیلک عمارتیں کھڑی کیں، درآمد و برآمد میں ترقی کی، بیرونی ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کئے، ترقیاتی منصوبے بنائے، سودی قرضے

لے لے کر مصنوعی ترقی کی نمائش کی، بینک کھولے، انشورنس کا جال پھیلایا، تھیٹر بنائے، سینما چلائے، اچھے اچھے ہوٹل تعمیر کئے، ریڈیو اسٹیشن قائم کئے، ٹی وی اسٹیشن لگائے، الغرض وہ سب کچھ کیا جو آج خدا فراموش قوموں کا طرہ امتیاز ہے۔ ہم نے کبھی مدنی تمدن، مدنی معاشرت، مدنی اخلاق و آداب اور مدنی سیاست و معیشت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، ہمارا کارنامہ بس گمراہ، بے دین اور مغضوب علیہ قوموں کی بھونڈی نقالی کرنا ہے، جوئے، شراب، گانے بجانے اور کھیل تماشے میں دوسری قوموں کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کی، عورتوں کو

**خدارا! قہر الہی کو مزید دعوت نہ دیجئے، خواتین اسلام کو شرعی پردہ لازم ہے اور ان کا بن ٹھن کر برہنہ سر بازاروں میں نکلنا، اسلامی شریعت اور انسانی غیرت دونوں کے لحاظ سے گناہ کبیرہ ہے، اس کا انسداد کیجئے، مردوزن کا اختلاط تمام فواحش کی جڑ ہے، گانا بجانا ان فواحش کی غذا ہے، خدارا! اس کا تدارک کیجئے**

برہنہ کیا، سیرتوں کو بگاڑا، صورتوں کو مسخ کیا، گانے بجانے والے طائفوں کو درآمد و برآمد کیا، لاکھوں کروڑوں روپے بے حیائی و عریانی کو فروغ دینے پر برباد کئے، گھر گھر سے راگ رنگ اور قرض و سرود کی آوازیں بلند ہونے لگیں، عورتوں کے سر سے دوپٹے چھین کر بازاروں، محفلوں، دفاتروں کلبوں میں حسنِ عریاں کے جلوے دیکھے، ہر کفر و الحاد کی حوصلہ افزائی کی، سچائی کو دبایا، جھوٹ کو اچھالا، رشوت کا بازار گرم کیا، حق کو باطل اور باطل کو

حق بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ظالموں کے آگے جھکنے اور غریبوں، مزدوروں اور مظلوموں کو دبانے اور لوٹنے کو اپنا شعار بنایا، مسجدیں ویران اور سینما آباد کئے۔۔۔ خدارا بتائیے کہ قہر الہی کو دعوت دینے والی وہ کون سی معصیت ہے جو ہم نے نہیں اپنائی؟ کیا ہم توقع رکھتے ہیں کہ ہماری اس قہر آلود زندگی پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی؟ خدا کا قانون قدرت اٹل ہے، جو زیرِ ہلاہل کھائے گا وہ مرے گا، جو شعلہ فشاں آگ میں کودے گا وہ جلے گا، جو متلاطم سمندر کی موجوں میں چھلانگ لگائے گا وہ ڈوبے گا اور جو قوم خدا سے سرکشی و بغاوت کا راستہ اختیار کرے گی اس پر قہر الہی کا کوڑا ضرور برسے گا۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ۔۔

آج ہماری ان بد عملیوں کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔ نہ زمیندار کو راحت ہے نہ کسان کو، نہ کارخانہ دار کو سکھ ہے نہ مزدور کو، نہ دکاندار مطمئن ہے نہ ملازم، گرانی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، سامان خورد و نوش سے برکت اٹھ گئی ہے اخراجات اتنے پھیل رہے ہیں کہ آمدنی ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہے، حوادث کی رفتار روز افزوں ہے، ہسپتالوں اور عدالتوں میں جا کر دیکھو تو ایسا لگتا ہے گویا پورا شہر یہیں اٹھ آیا ہے، ڈاکہ، چوری، غضب، بربریت اور قانون شکنی کی وجہ سے نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال، نہ عزت و آبرو۔

ہم اپنی ہوس زرخشی میں پاگل ہو رہے ہیں، ادھر روس کا سیلاب پاکستان کی سرحدوں سے ٹکرا رہا ہے، (نوٹ:؛ اور اب پھر سے بھارت سازشیں کر رہا ہے کہ اس کے ہاتھوں نہ ہماری سرحدیں محفوظ ہیں اور نہ ہی ہماری جان اور نہ ہی ہمارے

سفینہ نعیم

# منزل

## ہم سے کیوں روٹھی؟

آج کل ہم تفکرات و بدسکونی کا شکار ہیں اور اس کے ظاہری اسباب پر غور کرتے ہوئے ڈاکٹرز، حکماء اور عاملوں کا رخ کرتے ہیں ڈاکٹرز اپنی رپورٹ کے مطابق حکماء اپنی طب و حکمت کے تحت اور عامل اپنے عملیات اور اپنی روحانیت کو سامنے رکھتے ہوئے تشخیص کرتے ہیں اور پھر ہمیں ٹرک کی لال بتی کے پیچھے ایسے لگاتے ہیں کہ سفر اپنے اختتام کو نہیں پہنچتا البتہ انسان اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے مگر کبھی ہم نے یہ نہیں سوچا کہ کہیں یہ ہمارے اعمال بد کا نتیجہ تو نہیں؟؟؟ کہیں ایسا تو نہیں ہم نے دین و مذہب کو بھول کر خود ہی اپنے لیے مسائل و مشکلات کا انبار کھڑا کر رکھا ہے کیا کبھی ہم نے اپنے آپ کو خود احتسابی کے آئینہ کے سامنے کھڑا کیا ہے؟؟؟ آخر ہم ہر طرف سے زیرِ اعتبار کیوں ہیں؟؟؟ آج کا میاں بی وکا مرانی ہمارا مقدر

کیوں نہیں؟؟؟؟ آج ہماری منزل ہم سے کیوں روٹھ گئی ہے؟؟؟ آج ہم عالمی سامراجی طاقتوں کے سامنے بے بسی کا بت کیوں بنے ہوئے ہیں؟؟؟ وہ کون سے سنہری اصول ہیں جن کو ہم پس پشت ڈال کر زمانے میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور ہمارے آبا و اجداد کن اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر معزز و کامیاب ہوئے وہ عدل و انصاف اور اسلامی مساوات پر اس قدر سختی سے کار بند تھے کہ اقوام عالم ان کی کامیابی پر رشک کرتی ہے چشمِ فلک نے وہ مناظر بھی دیکھے جب حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام کا عرب کے اشراف القبائل قریش کی معزز لڑکی زینب بن جحش سے نکاح ہو رہا ہے۔ یہ اس نبی اعظم کا نظام ہے جس کے اعجاز نے اتنا بھاری انقلابی اقدام فرمایا۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ مہاجرین اور انصار میں

مواخات قائم فرماتے ہیں۔ ایک مہاجر ایک انصاری کا بھائی بن جائے۔ تو بلال بن رباح حبشی کو خالد بن ریحہ کا بھائی بنا دیا۔ خارجہ بن زید اور حضرت ابو بکر بھائی بن گئے۔ اور یہ بھائی چارگی صرف الفاظ کی حد تک نہیں تھی بلکہ حقیقی بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے درد و غم اور مسرت و شادمانی میں ہمیشہ شریک رہے۔ غزوہ موتہ میں حضرت زیدؓ کو امیر لشکر بنایا اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو روم بھیجنے والے لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ جس لشکر میں صف اول کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ تھے۔ کہ حضرت شیخین ابو بکر اور عمر فاروقؓ جیسے بھی تھے۔ سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ جو کے حضور اقدس کے رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ عشرہ مبشرہ میں بھی شامل تھے۔ ابھی لشکر روانہ نہ ہو پایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو جاتا ہے اور آپ



اپنے رفیق اعلیٰ کے جوار کرم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین مقرر ہوتے ہیں۔ اور جیش اسامہ کو روانہ کیا جاتا ہے۔ دنیا عبرت کی نگاہ سے دیکھے کہ اسامہ بن زید گھوڑے پر سوار مدینے سے نکل رہے ہیں۔ اور امیر المومنین جانشین رسول اکرم جناب صدیق اکبرؓ رکاب کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور غبار اڑ رہا ہے۔ حضرت اسامہ ادب سے رک کر گھوڑے سے اتارنا چاہتے ہیں تو ابو بکر فرماتے ہیں کہ تمہیں خدا کی قسم ہے ہرگز نہ اتارنا میں تمہاری سواری کے ساتھ چل کر راہ خدا میں خود کو غبار آلود کر لوں تو میرا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ خلیفۃ الرسول اللہ حضرت ابو بکر صدیقؓ دیر تک جیش اسامہ کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔ اسی اثنا میں انھیں خیال آیا کہ امور خلافت کے سلسلے میں مجھے عمر فاروقؓ کی ضرورت ہے۔ تو یہ نہیں کرتے کہ انھیں رکنے کا حکم کرتے بلکہ وہ چونکہ جیش اسامہ کے ایک سپاہی کی حیثیت سے اس لشکر میں شامل تھے اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت اسامہؓ سے فرماتے ہیں،، اگر آپ مناسب خیال کریں تو عمر کو میری معاونت کے لیے مدینہ چھوڑ جائیں کوئی اندازہ لگائے! اسلامی مساوات اور انسانی عظمت کا ایک نوعمر غلام زادہ اسلام کے دامن میں آکر صدیقؓ و عمر کے لیے لائق احترام بن جاتا ہے۔ اسی طرح امیر المومنین فاروق اعظم اپنے دور خلافت میں عمار بن یاسر کو کو فکا گورنر مقرر فرماتے ہیں۔ انقلاب اسلام سے قبل جاہل عرب بد معاشوں کی غلامی میں شدید تکالیف کا شکار ہو چکے تھے۔ کیا آپ نے نہیں سنا؟ کہ حضرت عمر فاروق نے اخیر وقت چھ آدمیوں کی شوری مقرر

کر دی تھی کہ یہ اپنے مشورے سے خلیفہ مقرر کر لیں اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو میں انہیں منصب خلافت سوپتا۔ سلطنت غسان کا شہزادہ جبکہ بن الیم عہدہ فاروقی میں عسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ امیر المومنین اور تمام مسلمانوں کی بہت خاطر داری کرتے تھے۔ وہ ایک بار خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا اس کا شاہی لباس طواف کے دوران کسی بدوی کے پاؤں تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ جب قرآن و حدیث، اسلامی قانون اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نافذ تھی تو راعی اور رعایا سب پر احساس غالب تھا کہ ہم سب کو رب العالمین احکم الحاکمین جیسی عظیم طاقت و قوت کے سامنے پیش ہونا ہے

تلے دب گیا یہ دیکھ کر جبکہ بڑا غصہ آیا کہ ایک معمولی شخص نے میرے چغہ کو پاؤں سے دبا دیا ہے۔ اس نے بدوی کو تھپڑ مارا۔ امیر المومنین بھی موجود تھے۔ بدوی مسلمان نے ان سے شکایت کی۔ شہزادے سے جواب طلب ہوا کہ تم نے خانہ کعبہ میں ایک مسلمان کو بغیر کسی وجہ کے تھپڑ کیوں مارا ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس نے میرے لباس پر پاؤں رکھا ہے۔ اس لیے میں نے تھپڑ مارا ہے تو میں نے کون سا ظلم کیا ہے؟ تو امیر المومنین نے فرمایا کہ اسلام میں ہر انسان برابر ہے۔ اور برابری کا درجہ رکھتا ہے۔ اور طواف کے دوران ایسا ہو جاتا ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے تم نے اس پر زیادتی کی

ہے۔ اسے راضی کرو ورنہ قانونی لحاظ سے بدلہ لیا جائے گا۔ جبکہ نے کہا کہ مجھے ایک یوم کی مہلت دی جائے تو اسے ایک دن کا موقع دیا گیا اور وہ راتوں رات بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا انسانی مساوات کا قانون اتنا پختہ ہے کہ اس کے نزدیک شاہ گدائی میں کوئی امتیاز نہیں۔ جبکہ کی شہزادگی کے تیور پر یہ قانون گراں گزا اور اس بد نصیب نے اسلام کا قلا وہ گلے سے اتار پھینکا اور مستحق نار ہوا۔ ملک شام کے علاقے میں مجاہدین اسلام کفار سے نبرد آزما ہیں۔ دشمن زیر ہو رہے ہیں۔ اسی اثنا میں دشمن کی جانب سے پیش کش ہوئی کہ ہم لوگ بیت المقدس کی کنجیاں بغیر کسی حرب و ضرب کے آپ لوگوں کے حوالے کرنے کو تیار ہیں مگر ہم خود مسلمانوں کے خلیفہ اور امیر المومنین سے معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ مدینہ طیبہ حضرت عمر فاروق کے پاس قاصد بھیجا گیا امیر المومنین آنے کو تیار ہو گئے۔ شام اور علاقہ بیت المقدس میں خلیفۃ المومنین والمسلمین کی آمد کا غلغلہ مچ گیا۔ وقت مقرر پر اہل شام گھروں سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں کے با عزت اور با عظمت خلیفہ کی زیارت کے منتظر ہو گئے۔ کچھ دیر بعد گردوغبار کا دامن چاک ہوا اور ایک اونٹ پر ایک سوار اور مہار پکڑے ہوئے ایک شخص برآمد ہوئے۔ یہ بھلہ کون تھے جن کو خلیفہ دوم ہونے کا شرف حاصل ہوا جو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر بھی تھے جو کہ چلتے پھرتے جنتی تھے یہ میرا اہل دنیا سے چیخ ہے؟ آج انسان نے ترقی کی ہے بہت کی ہے انسان نے ہواؤں کو زیر کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ آج کے سائنسدان نے طرح طرح کے ہتھیار بنائے ہیں قسم قسم کے آلات بنائے ہیں مگر اسلام کے آئینہ

## کیا وجہ ہے۔۔۔؟

کیا وجہ ہے کہ ہم تاریخ کی ہر صلیبی جنگ کو تو صلیبی جنگ کہہ دیتے ہیں اور اس میں شریک اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر بھی کرتے ہیں، لیکن جب تاریخ کا پہیہ گھوم کر ہم سے، اپنے سامنے صلیبی جنگ میں اپنا کردار مانگتا ہے تو زبانیں گنگ، قلم ساکت، جوانیاں لالعلق اور بزرگیاں تجاہل عارفانہ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ صلاح الدین ایوبیؒ تاریخ کی کتابوں میں تو ہمیں بطل نظر آتے ہیں، لیکن نہ جانے آج وہ ہوتے تو ہم انہیں کیا مقام دیتے؟ آج اس دنیا میں کفر و اسلام کا جو معرکہ جاری ہے.... باوجودیکہ وہ تاریخ اسلام کی ہمہ گیر ترین اور بھیاںک ترین صلیبی جنگ ہے، مسلمانوں سے بڑھ کر خود اسلام کے خلاف ہے۔ ہماری اور ہماری اولادوں کا دین، اتباع شرع کا جذبہ، معاشرتی اقدار، تعلیمی روایات، ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر شعائر اسلام کی حرمت و عزت، غرض سبھی کچھ اہل کفر کے ہاتھوں داؤ پر لگا ہے.... لیکن ایسے میں بھی ہماری اکثریت کی فکری صلاحیتیں، وقت، پیسہ اور جانیں، سبھی کچھ موج حوادث سے دور ہے اور ہم ساحل ہی سے طوفان کا نظارہ کر رہے ہیں۔ ایسے میں آخر کب تک ہمارا دین محفوظ رہے گا؟ ہماری نسلوں کے ایمان کا کیا بنے گا؟ کیا تاریخ ہمیں معاف کرے گی؟ کیا تاریخ نے ہسپانیہ، بخارا، کاشغر والوں سے صرف نظر کیا تھا جو اب کرے گی؟ وجوب شرعی کچھ ہے کہ نہیں؟؟؟

انجینئر احسن عزیز شہید

ختم ہو چکی ہے۔ اب تمہارے سوار ہونے کی باری ہے۔ اور عمر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے کی حق تلفی کرے۔ اہل شام نے اونٹ پر سوار غلام کو مسلمانوں کا امیر سمجھا مگر غازیان اسلام نے بتایا کہ امیر المؤمنین وہ ہیں جو غلام کو اونٹ پر بٹھائے ہوئے آ رہے ہیں۔ مساوات اور ادائے حق کی اس تابندہ مثال کو دیکھ کر اہل شام نے اپنا سر خم کر دیا اور بیت المقدس کی کنجیاں آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔ قانون اسلامی اپنے اندر مساوات کا مستحکم اصول رکھتا ہے۔ اور یہ صرف کتابوں کی مرقوم باتیں نہیں بلکہ روئے زمین کے سچے حقائق ہیں۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ جب قرآن و حدیث، اسلامی قانون اور شریعت محمدی ﷺ نافذ تھی تو راعی اور رعایا سب پر احساس غالب تھا کہ ہم سب کو رب العالمین احکم الحاکمین جیسی عظیم طاقت و قوت کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اسی جذبے، احساس ذمہ داری، اور قانون مساوات نے سب کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا تھا اور ثابت کیا تھا کہ قانون کی نگاہ کوئی ممتنا نہیں۔ سب برابر اور مساوی ہیں۔ کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان اصولوں کو اپنانا ہوگا۔ خشیت قوم بلند اور ممتاز مقام حاصل کرنے کے لیے ہمیں ان سنہری اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ اگر سامراجی طاقتوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونا ہے۔ تو پھر مساوات محمدی ﷺ اور قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے عدل و انصاف کا قانون اپنے اوپر نافذ کرنا ہوگا ورنہ ہم یہی کہہ سکیں گے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر ہم ذلیل و خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

کو سامنے رکھ کر میرا چیلنج قبول کیجیے اور جواب دیجیے کہ جب زلزلہ آئے تو انسان کے بنائے ہوئے ہتھیار کہاں جاتے ہیں اس کی طاقت کیوں ختم ہو جاتی ہے مانہ کہ ترقی کی ہے بہت کی ہے جب زلزلہ آتا ہے تو زمین تھر تھرا اٹھتی ہے اس کی کپکپاہٹ کے باعث اس کی تھر تھراہٹ کے باعث لاکھوں لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں تو موجودہ دور کا عقلمند انسان کہتا ہے کہ زمین کی پلیٹوں میں تبدیلی رونما ہوئی جس کی وجہ سے زلزلہ آیا ہے۔ انسان نے ہوائی جہاز بنایا یا چاند کی سیر کی مریخ پر پہنچا اور دو سرے سیاروں پر قدم جمائے تو وہ زمین کی نئی پلیٹیں کیوں نہیں بنا لیتا تاکہ لوگ اس مصیبت سے بچ جائیں مگر قربان جاؤں نبی کے اس ولی پر نبی کے اس نائب پر جس کی ٹھوکر کے باعث زمین کا پنپنا چھوڑ دیتی ہے۔ جس کے حکم پر دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں جس کے حکم سے زمین کی زرخیزی بڑھ جاتی ہے۔ زمین تیل اگل دیتی ہے۔ جس کے خوف سے انسان تو کیا بکری اور شیر ایک گھاٹ سے پانی پی رہے ہیں۔ وہ کون تھا جس کا حکم انسانوں، مسلمانوں اور جمادات و حیوانات سب پر بھاری تھا وہ تھا مسلمانوں کا خلیفہ دوم جس کا عمر فاروقؓ تھا تو عرض کر رہی تھی کہ جب عمر فاروقؓ اور ان کا غلام بیت المقدس کے قریب پہنچے ہیں تو غلام اونٹ پر سو ارہے اور خود امیر المؤمنین مہار پکڑے آ رہے ہیں جب مستقر قریب آیا تو غلام نے عرض کی کہ یا امیر المؤمنین لوگ آپ کے استقبال کے لیے آ رہے ہیں اور آپ پیدل چل رہے ہیں آپ اونٹ پر تشریف رکھیں اور میں پیدل چلتا ہوں آپ نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ میری اونٹ پر سواری کی باری



(1) دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے... جس میں انسان کی پیدائش سے موت تک راہنمائی ہے... بچہ پیدا ہوتا تو دائیں کان میں اذان بائیں میں تکبیر پڑھو، نام رکھو، ختنہ کرو تا کہ مخصوص عضو غلاظت اور گندگی سے محفوظ رہے۔ انسان فوت ہوا ہے تو غسل دو، کفن پہناؤ، پھر دفن کرو۔ غرض ہر معاملے میں لاثانی اور بے نظیر راہنمائی ہے۔ دین مکمل طور پر زندگی میں لاگو کرنے کے لیے لازم ہے کہ مسلمان ایک اسلامی حکومت کے ماتحت رہیں۔ اس اسلامی نظام کا آئین قرآن وحدیث ہونے کہ انسان کی عقل ناقص کے بنائے ہوئے قوانین نافذ ہوں۔ عصر حاضر میں کسی بھی مسلمان ملک کی حکومت خالص اسلامی نہیں ہے۔ ہر ملک میں بے اعتبار انسانی عقل سے لکھا آئین اور قوانین کا نفاذ ہے کامیابی کی ضمانت اسلام کو چھوڑ کر کافروں کا دیا جاہلانہ نظام جمہوریت لاگو ہے۔ اس میں شاید ہی کہیں قرآن وحدیث عقل کے موافق ہو جائیں ورنہ اس میں وحی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ جبکہ دین تو اتنا حساس ہے کہ یہ اپنے پیروکاروں سے خالص ہونے کا کہتا ہے... چنانچہ اللہ عزوجل فرما رہے ہیں کہ ”پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستے کی پیروی نہ کرو“ لیکن مقام افسوس ہے کہ خود کو مسلمان کہنے والے (اکثر) کالم نگار اور ”دانشور“ جو کہ درحقیقت دجل والے ہیں کہتے ہیں کہ اسلام میں سزاؤں کے سوا ہے ہی کیا؟ ریاست مذہب کے تحت نہیں چل سکتی... ریاست کو مذہب سے الگ کرو... مذہب کا تعلق انفرادی طور پر انسان کے ساتھ ہے... وغیرہ وغیرہ... یہ وہ لوگ ہیں جنہیں گھر میں ان کی بیوی ”چھتر“ مارتی ہے اور باہر آ

کر یہ ”دانشور“ بن جاتے ہیں

(2) دین کے متعلق ایسی بحث کرنے والوں کی اکثریت وہ لوگ ہیں جنہیں سورت اخلاص تک نہیں آتی اور اس کا مظاہرہ ایک وزیر اسمبلی میں کر چکا ہے... کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نماز روزے کو نہیں بلکہ دوسروں کی بھلائی اور خدمت کو اسلام سمجھتے ہیں“ (نعوذ باللہ) انہوں نے دین کو مذاق بنا رکھا ہے اور حتمی یہ دوسروں کی ”بھلائی“ اور ”خدمت“ کرتے ہیں وہ بھی محتاج تعارف نہیں... ہمیں اپنی عقل کی کسوٹی پر دین کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا بلکہ ہمیں دیکھنا ہے کہ اسلام کیا کہتا ہے... اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ”جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ کافر ہیں“ (المائدہ 44) اور جھوٹے زمینی خدا امریکہ کے پیرو اپنے ہاتھوں سے لکھے آئین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، اب ذرا قرآن کا فیصلہ دوبارہ پڑھیں اور ایسے لوگوں کے طرز پر غور کریں، سمجھنے میں تاخیر نہیں ہوگی۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث مبارکہ ہے ”جو جماعت اور اسلام سے الگ ہوا اور اسی حالت میں مرا وہ جاہلیت کی موت مرا“ اسی طرح مسند ابی یعلیٰ کی ایک حدیث ہے ”جو اس حال میں مرا کہ اس پر کوئی امام نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا“ اب سوچیں ہم ان عقل سے بہرہ بردار جمل والوں کی مانیں یا امام الانبیاء سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک فرمان مانیں؟ یقیناً نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ماننے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔ وجہ کائنات پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جماعت سے الگ ہونا جاہلیت ہے، (3) مغرب کی گود میں ڈبے والے دودھ سے پلا شخص جسے اسلام کا کوئی پتا ہی نہیں وہ کہتا ہے کہ اسلام صرف انفرادی طور پر لاگو ہوتا ہے۔ خیر و طائف کے فاتح امام (صالح) کی اطاعت کا کہہ



رہے ہیں دوسری طرف دین سے عاری پینٹ ٹائی والا بوکھر رہا ہے کہ ریاست کو اسلام سے الگ کرو۔ ڈاکو، زانی اور قاتل لبرل "دانشور" شرعی حدود (رحم وغیرہ) کو حشیانہ قانون کہتا ہے۔ یاد رہے خوارج کی ایک نشانی رحم (سنگسار) کا انکار تھی اور جو اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اس کو قرآن جو کہتا ہے وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسلام کہتا ہے شادی کرو، ایک کرو من نہیں بھرتا دو کرو، تین، چار کرو، اب اس سے زیادہ آسانی اور کیا ہوگی؟ لیکن پھر بھی کوئی زنا کر کے منہ کالا کرتا ہے، کسی کی عزت پہ ہاتھ ڈالتا ہے، چار گواہ پیدا کر لیتا ہے، پھر اس کا گناہ، گناہ نہیں رہتا بلکہ وہ گناہ بغاوت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر اسلام کہتا ہے اگر یہ غیر شادی شدہ ہے تو کوڑے مارو اگر شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کرو۔ جو جرم کر کے سنگسار ہوتا ہے اسکا اتنا خیال، لیکن جس کی عزت پہ آنچ آتی ہے جس کی عزت پہ زانی ہاتھ ڈال رہا ہوتا ہے اسکا خیال ان آزاد خیال لوگوں کو کیوں نہیں آتا؟ انار، سیب، کیلا، کھجور، آم، انگور، امرود، روٹی، (حلال جانوروں کا) گوشت، گوبھی، گاجر اور نجانے کتنے پاک اور حلال پھل اور سبزیاں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا کی ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی ان خوشبودار اور طیب چیزوں کو چھوڑ کر بدبودار، بد ذائقہ اور عقل سلب کر لینے والی شراب پیے گا پھر شرعی حد تو لاگو ہوگی، سزا تو ملے گی تاکہ دوسرے اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

(4) اسلام بچپن سے وظائف مقرر کرتا ہے۔ جوانی میں روزگار کے مواقع پیدا کرتا ہے۔ پھر جوان ہو کر طاقت کے باوجود بھی چوری کرے یا ڈاکہ مارے پھر سزا تو ملے گی۔ جب اسلامی عدالت ہوگی قرآن و

حدیث کے مطابق چند دنوں میں پیسے لگنے کے بغیر فیصلے ہوں گے عدل کا بول بالا ہوگا پھر کسی کو کیا ضرورت ہے خود بدلہ لینے کی یا قتل و غارت کرنے کی؟ لیکن جب وکیلوں کی فیسیں، رشوتیں، سفارشیں چلیں گی، مدعی مر جائیگا مگر فیصلہ نہیں ہوگا یا دس دس سال کیس چلنے کے بعد بھی درست فیصلہ نہیں ہوگا پھر بدلہ لینے کے لیے قتل و غارت تو ہوگی۔

شاہ زیب قتل کیس، زین قتل کیس... اور بھی نجانے کتنے کیسوں میں... رشوت، سفارش، دھمکیاں دے کر جو عدل کا گلہ گھونٹا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لاہور کے فہم وغیرہ جن کا قاتل ریمینڈ ڈیوس تھا ان کو انصاف کیوں نہیں ملا؟ عافیہ صدیقی کو بیچ دیا گیا کیوں کوئی شنوائی نہیں ہوئی؟ ارباب اختیار میں سے کبھی کوئی امریکہ جاتا ہے کبھی کوئی، سب واپس آ جاتے ہیں لیکن قوم کی بیٹی کو ساتھ کیوں نہیں لاتے؟ اس پہ کوئی کیوں نہیں چلاتا؟ شرعی حدود کو وحشت کہنے والوں کو یہ درندگی کیوں نظر نہیں آتی؟ ابو غریب، بگرام، گوانٹانامو اور امریکہ کے حواریوں کی جیلوں اور خفیہ سیلوں کے تشدد پہ "انسانیت" کے حقوق کی علبردار تنظیمیں کیوں شور نہیں مچاتیں؟ 173 ملین سے زائد انسانوں کے قاتل امریکہ پہ اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل فرد جرم کیوں عاید نہیں کرتی؟ صرف اور صرف اس لئے کہ سب کا ہدف اسلام ہے، سب اسلام کے خلاف ایک سے بڑھ کر ایک سازش کرنے میں مصروف ہے (5) تاکہ ان کا خدا شیطان اور دجال خوش ہو... یہ شیطان و دجال کے پیرواسی کی خوشنودی کے لیے اسلام پہ انگلی اٹھاتے ہیں... کبھی کسی پہلو سے کبھی کسی پہلو سے، کبھی کہتے ہیں اسلام میں

صرف سزائیں ہیں اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے بات مکمل نہیں کرتے، کبھی کہتے ہیں اسلام میں ریاست چلانے کے اصول نہیں ہیں۔ ایسے سب جھوٹے اور مکار سازشی عناصر ہیں۔ ایک اور مزے کی بات کہ یہ مکار قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ جہاد حکومت کے تحت ہوتا ہے انفرادی نہیں۔ اور صرف بے دین، سیکولر اور اسلام سے دور طبقہ ایسی بات کرتا تو اس کا رنج اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ ایک پڑھے لکھے دیندار شخص کی غیر دینی باتیں سن کر ہوتا ہے۔ ابھی چند دن پہلے ایک دین دار پڑھے لکھے شخص سے بات ہو رہی تھی وہ بھی وہی بات کہہ رہے تھے کہ اسلام میں سزائوں کے سوا ہے ہی کیا، دین میں حکومت چلانے کے اصول نہیں ہیں... بہت رنج ہوا ان کی ایسی باتیں سن کر کہ وہ ایک دیندار ایسا کہہ رہا ہے... صرف وہی نہیں اور بھی بہت سے دیندار ایسی باتیں کرتے نظر آتے ہیں... بعض علما کرام کوشش کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر غیروں کے دیئے طریقے کے مطابق... یہ تو وہی ناپاک پلیٹ میں کھیر والی بات ہے... شاید یہ مصر کے محمد مرسی کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھ سکے کہ جمہوری طریقے سے اسلام پسند برسرِ اقتدار تو آگیا مگر ایک سال سے بھی پہلے دجال کے اشارے پہ فوج نے اس کا نہ صرف تختہ الٹ دیا بلکہ پھانسی کی سزا بھی سنا دی ہے جب دیندار ایسی باتیں کرتے ہیں پھر بے دین تو یقیناً کہیں گے بلکہ وہ ایسے دیندار کو حجت بنائیں گے۔ ایک اپنا لکھا شعر یاد آ رہا ہے

غیر تو غیر تھے مہدی، غیروں سے کیا گلا شکوہ تو اپنوں سے ہے جن سے صدا دکھلا

وہ مجھے شہید بھی کر ڈالے تو میرے بدن کا ہر مو (بال) یار کا نام پکارے گا۔“

# حضرت بلال بن رباحؓ

عظیم احمد

یہ بے معنی پتھر کے بت جنہیں لوگ خدا کہتے تھے۔ بلالؓ بن رباح نے انہیں خدا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے لیکن پھر انسانی ذہنوں میں کچھ ایسا خلفشار پیدا ہوا کہ یہ عظیم عبادت گاہ لکڑی اور پتھروں سے بنائے ہوئے بتوں کا گودام بن کر رہ گئی۔ ان بتوں کو عرب اپنے خداؤں کا درجہ دیتے تھے لیکن پہلے تو اس قادر مطلق کا تصور گم ہوا۔ پھر اس کی جگہ بتوں نے لے لی، اور پھر ایک نہیں سینکڑوں خداؤں کا تصور ابھرا اور پھر وحدانیت الہی کی یہ قدیم علامت تین سوساٹھ بتوں کا مسکن بن گئی۔ وہ خدا جو فروخت کیے جاتے تھے۔ خریدے جاتے تھے اور ان خداؤں کی خرید و فروخت پر منافع کمایا جاتا تھا۔ ہر خدا مختلف کام کے لیے مخصوص تھا۔ کوئی دن کا خدا تھا، کوئی رات کا، کوئی معذوروں کا خدا تھا، کوئی صحت مندوں کا۔ خوش نصیبی کے خدا الگ تھے۔ سفر کے الگ اور کچھ دنیوی منفعت کے لیے۔ ابدی بہبود اور اخروی بہتری کا کوئی عنصر ان کی عبادت میں شامل نہ تھا۔ خانہ کعبہ میں آنے جانے والے قافلوں کے پاس صرف نفع کمانے کا تصور تھا جو بازاروں اور منڈیوں میں نظر آتا ہے۔ ہر سال ایک خاص مہینے میں عرب کے قبائل میلوں کی مسافت طے کر کے اپنے اپنے خداؤں کے حضور حاضری کے لیے آتے تھے۔ ایک میلہ سالگ جاتا تھا۔ شام کے تاجر، یمن کے سمندری تجارت کرنے والے تاجر، فارس کے تاجر اور دور دراز مقامات سے آئے ہوئے غلاموں کی خرید و فروخت کرنے والے تاجر سب ہی یہاں جمع ہوتے تھے۔ اس میلے میں سونا، چاندی، کپڑے اور خوشبوئیات بھی فروخت ہوتی تھیں، غلام اور خدا بھی۔ موسم گرما کی ایک صبح تھی۔ امیہ بن خلف حسب معمول اپنے تاجر ساتھیوں کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے گھر سے نکلا۔ تاجروں کی یہ محفل خانہ کعبہ کے سائے میں لگتی تھی۔ تاجروں کے ساتھ ان کے غلام بھی ہوتے تھے جو کچھ فاصلے پر بیٹھے اپنے اپنے آقاؤں کے اشاروں کے منتظر رہتے تھے۔ ان غلاموں میں امیہ بن خلف کے غلام بلالؓ بھی تھے۔ تمام تاجر خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ان تاجروں کے غلام بھی سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ابو جہل کی آواز نے غلاموں کو چونکا دیا۔ ابو جہل کا غلام ہڑ بڑا کراٹھ کھڑا ہوا مگر ابو جہل تو کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ ”اسے دیکھو وہ کہتا ہے وہ خدا سے باتیں کرتا ہے۔“ ابو جہل کا فقرہ قہقہوں میں ڈوب گیا۔ محمد ﷺ بن عبد اللہ نے خاموشی اختیار رکھی۔ ”پیغمبر صاحب! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں پانی پر چل کر کیوں نہیں دکھاتے؟“ اس بار امیہ بن خلف کی آواز ابھری۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ ہمیشہ کی طرح تنہا پہاڑوں کی سمت جا رہے تھے جہاں لوگ کہتے تھے

گا۔ سب سے پہلے ہم ان غلاموں اور لا وارثوں سے نمٹیں گے جو اس کے گرد جمع رہتے ہیں۔“ حضرت بلالؓ بن رباح یہ سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ان بتوں سے تو پہلے ہی متنفر تھے۔ اب جو انہوں نے نئے دین کے متعلق سنا تو ان کے دل و دماغ میں کشمکش جاری ہو گئی۔

ایک دن حضرت بلالؓ غلاموں کے مخصوص انداز میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ اتنے میں کچھ لوگ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو لے کر آئے اور انہیں دھکا دے کر زمین پر گرادیا۔ حضرت بلالؓ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

”بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کیا سکھاتا ہے؟“ ابوسفیان نے تیز لہجے میں پوچھا۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے فرمایا: ”وہ سکھاتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، بالکل ایسے جیسے کنگھے کے دندانے۔“ حضرت بلالؓ یہ سن کر سر تا پاؤں لرز گئے اور ان کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی مگر امیہ بن خلف کا چہرہ تپ کر سرخ ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر حضرت عمارؓ کی آواز ابھری: ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں سکھاتے ہیں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔“

ابوسفیان کو دوسرے آقاؤں کے مقابلے میں نیک سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں کے حلقے میں اس کی شہرت اچھی تھی۔ جہاں جنبشِ ابرو سے کام چل سکتا وہاں وہ کبھی زبان نہ ہلاتا تھا۔ شاید عمارؓ بن یاسرؓ نے اسی دھیمے لہجے میں دھوکہ کھا لیا تھا جو سب کہتے چلے گئے۔ جب ابوسفیان نے اپنے مخصوص لہجے میں سوال کیا تو عمارؓ بن یاسرؓ نے یہ سمجھا کہ وہ ان کے برابر کی حیثیت سے بات کر رہا ہے، اور واقعی ان سے صحیح جواب چاہتا ہے۔ ”ایک اللہ، لیکن ہمارے

اس سے کچھ مانگتا ہے اٹھا کر اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ جہاں بھر کے چور اچکوں اور مقرضوں کو کھلاتا ہے۔ جب دیکھو اس کے دروازے پر دس بارہ جمع رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ہو جو اس کے گھر سے کوئی بھیڑ بکری یا کچھ اور لے کر نہ جائے، ہم کیا کر سکتے؟“ گھبراہٹ میں ابولہب نے ابوسفیان کا بازو تھام لیا۔ ”ابوسفیان! تم ہی بتاؤ ایک جوان شخص مضبوط و توانا، خوبصورت، سر کا ایک بال سفید نہیں، ایک رئیس عورت کا خاوند، خود عالی نسب، وہ مکہ میں جو چاہے کر سکتا ہے مگر کرتا کیا ہے۔ اپنے گھر کا آرام دہ بستر چھوڑ کر پہاڑوں کے غاروں میں بیٹھا سردی سے ٹھٹھرتا رہتا ہے۔ محض اس وہم پر کہ ایک فرشتہ اس سے باتیں کرتا ہے۔ یہ فرشتہ اس کی جان کا روگ بن گیا ہے۔“ ابولہب تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اس کے دوست بھی کچھ پریشان، کچھ شرمندہ لگ رہے تھے۔ ابولہب بیٹھا بیٹھا پھر کہنے لگا: ”ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا۔ سب اس کے دوست تھے۔ اس کی عزت کرتے تھے۔ اس وقت کسی کو اس پر ہنسنے کی جرأت نہ تھی۔ وہ تمہارے درمیان فیصلے کراتا تھا۔ تمہارے قرضے چکاتا تھا۔ وہ تمہاری امانت کا محافظ تھا۔ لوگ اسے صادق اور امین کہتے ہیں۔ لوگ اس کے پاس جاتے تھے اور اسے عادل و منصف سمجھ کر اپنے معاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ صرف ایک سال پہلے۔“

پھر ابولہب نے پکار کر کہا: ”مجھے یہ فکر نہیں ہے کہ وہ ہمارے خداؤں کے بارے میں کیا اٹلی سیدھی باتیں کرتا ہے۔ ہمارے خدا اس سے خود ہی نمٹ لیں گے لیکن وہ انسانوں کو جو سبق پڑھا رہا ہے وہ بے حد خطرناک ہے مگر اس کا جلد فیصلہ ہو جائے

کہ ایک فرشتے نے ان سے بات کی تھی۔ وہ ابوجہل کے طنز سے بے نیاز کعبہ کے گرد چلتے چلتے نظروں سے ابوجہل ہو گئے۔ ادھر تاجروں کی محفل میں ہر چہرے پر ہنسی تھی۔ ہر شخص اس مذاق میں شریک تھا۔ صرف ابوسفیان تھا جس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہ تھی۔ اچانک وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ محفل میں سنجیدگی لوٹ آئی وہ کہنے لگا: ”ایک خدا کو ماننے والا خدا کا منکر ہے۔“ ہمیشہ کی طرح ابوسفیان نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کیونکہ کفار کو سب سے زیادہ تکلیف اسی بات کی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ کفار نے اپنی ضعیف الاعتقادی میں موقع محل کے لحاظ سے کئی خدا بنا رکھے تھے۔ وحدہ لا شریک کا تصور ان کے دائرہ فکر سے باہر تھا۔ ابوسفیان فکر مند تھا: ”اگر ہم نے اس فتنے کو ختم نہ کیا تو خدا ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور اپنی رحمتیں کسی اور شہر پر نچھاور کرنے لگیں گے۔“

ابوجہل جو اب تک خاموش تھا۔ یکا یک بول اٹھا: ”ابولہب! تم اس کے چچا ہو۔ یہ تم قریبی رشتے داروں کی ذمہ داری ہے کہ اسے سمجھاؤ اور اسے راہ راست پر لاؤ۔“ ابولہب گھبرا گیا۔ اس نے اب تک دانستہ طور پر خود کو اس ساری گفتگو سے الگ رکھا تھا۔ وہ اس میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اب ابوجہل نے خواہ مخواہ اسے گھسیٹ لیا تھا۔ ”راہ راست پر لاؤں اس کو؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ کوئی بچہ ہے؟ چالیس سال کا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سراسر بدننامی کا باعث ہے۔ میرے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنے نسب عالی کے لیے۔ کل اس نے ایک غلام کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے۔ جو کوئی



تو تین سو ساٹھ خدا ہیں جو ہماری حفاظت کرتے ہیں اور ہماری مرادیں بر لاتے ہیں۔“ پھر ابوسفیان قدرے توقف کے بعد بولا: ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احساس نہیں کہ ہم مکہ میں خداؤں کو گھر مہیا کرتے ہیں، یہی ہماری روزی ہے۔ سب قبائل کے اپنے اپنے خدا ہیں جن کی عبادت کے لیے وہ یہاں آتے ہیں۔ خدا ہمارے معبود بھی ہیں اور ہمارا ذریعہ معاش بھی اور کیا ہم غریبوں اور کمزوروں کی نگہداشت نہیں کرتے۔“ ابوسفیان کہتے کہتے رک گیا۔ پھر کچھ توقف کے بعد دوبارہ بولا: ”اگر ہم تین سو ساٹھ بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کو ماننے لگیں جو نظر بھی نہیں آتا اور جو ہر جگہ بتایا جاتا ہے۔ اس باغ میں، طائف میں، مدینہ میں، یروشلم میں، چاند پرتو پھر مکہ کہاں جائے گا؟ جب ہر گھر میں خدا ہوگا تو یہاں کوئی کیا کرنے آئے گا؟“ اب امیہ بن خلف اپنا ریشمی لباس لہراتا ہوا حضرت عمار بن یاسرؓ کے قریب پہنچا اور کہنے لگا: ”یہ سیاہ فام بلالؓ جسے میں نے اپنے پیسے سے خریدا ہے، میرے برابر ہے۔۔۔۔۔“

شدید گرمیوں کے دن تھے۔ سورج کی تپش ریت کو انگاروں کی طرح دہکا رہی تھی۔ پیاس کے مارے حلق سوکھ کر کاٹا ہو رہے تھے۔ پرندے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ گرمی کا ایک لمحہ بھی برداشت سے باہر تھا۔ ایسے میں امیہ بن خلف اپنے حبشی غلام بلالؓ بن رباح کے گلے میں رسی ڈالے انہیں گھیٹا ہوا لالیا اور صحرا کی گرم اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا۔ بلالؓ بن رباح نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا تھا۔ وہ ایک اللہ پر ایمان لے آیا تھا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں شریک ہو گیا تھا۔

اب وہ بتوں کی عبادت سے متنفر تھا۔ بتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ بے معنی پتھر کے بت جنہیں لوگ خدا کہتے تھے۔ بلالؓ بن رباح نے انہیں خدا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ خبر امیہ بن خلف پر بجلی بن کر گری۔ وہ تو بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام غلاموں سے زیادہ چاہتا تھا۔ وہ تو آپ پر بڑا اعتماد رکھتا تھا۔ اس نے تو بت خانے کا انچارج بھی آپ کو مقرر کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی دل کو ایمان کی روشنی سے منور کر دیتا ہے تو ظلمت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جسے لوگ اسلام سے پہلے بلال بن رباح کے نام سے جانتے تھے، اسلام لانے کے بعد وہ سیدنا بلال حبشیؓ کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت ایمان سے سرفراز فرمایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صنم کدے میں بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ دوسرے لوگ بتوں کو اور سیدنا بلال حبشیؓ اس وحدہ لاشریک کو سجدہ کرتے۔ جب امیہ بن خلف کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے سیدنا بلالؓ کو اس عہدے سے معزول کر دیا۔ وہ تو پہلے ہی اسلام کا سخت دشمن تھا اس کے دل پر کفر کا قفل لگ چکا تھا۔ وہ یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کا اپنا غلام اس مذہب کا پیروکار ہو جائے جسے وہ سخت ناپسند کرتا ہے۔ اب امیہ بن خلف نے انہیں سزا دینے کا انوکھا طریقہ ایجاد کیا۔ وہ سیدنا بلالؓ کو شدید ترین گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا۔ جب اس سے بھی اس لعین کے سینے کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی، تو وہ اپنے انتقام کو کندن بنانے کے لیے سیدنا بلالؓ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ نیچے گرم تپتی ہوئی

ریت جسم جھلسا دیتی اور سینے پر بھاری پتھر جاں کی اذیت میں مزید اضافہ کر دیتا۔ سورج کی تپش رہی سہی کسر کو پورا کر دیتی۔ امیہ بن خلف نے اپنی طرف سے ہر کوشش کر ڈالی، مگر وہ سیدنا بلالؓ کے دل سے ایمان کی روشنی کم نہ کر سکا۔ وہ لعین آپ کو ہر روز نئی نئی اذیتیں دیتا اور کہتا: ”اگر میری بات نہیں مانو گے تو اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے اگر زندگی عزیز ہے تو اسلام سے کنارہ کشی اختیار کر لو، واپس اپنے باپ دادا کے دین پر آ جاؤ۔“ مگر سیدنا بلالؓ کی زبان پر تو صرف یہی لفظ جاری تھا:

”احد، احد، احد۔“ ”معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ امیہ بن خلف کے حکم سے رات کے وقت سیدنا بلالؓ کو زنجیروں سے باندھ کر کوڑے مارے جاتے اور پھر اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا۔ شیطان پوری طرح اس لعین امیہ بن خلف کا ساتھ دے رہا تھا۔ امیہ بن خلف کے حکم سے ہر روز تکلیفوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا جاتا، تاکہ سیدنا بلالؓ ان تکلیفوں سے گھبرا کر اسلام سے پھر جائیں یا پھر تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دیں۔ عذاب دینے والے اکتا جاتے، ظلم کرتے کرتے وہ تھک جاتے، ان کے حوصلے کمزور پڑ جاتے مگر سیدنا بلالؓ کی استقامت میں کوئی فرق نہ آتا بلکہ ہر تکلیف پر آپؓ کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ کبھی ابو جہل آپؓ کو عذاب دینے میں پیش پیش ہوتا اور کبھی امیہ بن خلف کا نمبر آ جاتا اور کبھی کسی اور شخص کی باری آ جاتی اور ہر شخص اسی کوشش میں رہتا کہ وہ انہیں ایذا میں دینے میں اپنا پورا زور صرف کر دے۔ تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت بلالؓ بن رباح اسلام آنے کی خبر

سننے ہی دامن اسلام کی آغوش میں آگئے اور اس لعین امیہ بن خلف نے اپنے غلاموں کو حکم دیا:

”دن چڑھے بلال کے بدن پر ببول کے کانٹے چھو دیا کرو اور جب سورج اپنے پورے شباب پر ہو تو انہیں گرم زمین پر لٹا کر سر سے پاؤں تک پورے جسم پر گرم پتھر رکھ دیا کرو تا کہ وہ ہل نہ سکیں اور ان کے گرد آگ لگا دیا کرو۔“ کہا جاتا ہے کہ آفتاب نصف النہار پر پہنچ جاتا اور گرمی اپنے عروج پر ہوتی اور زمین تنور کی طرح دھک رہی ہوتی تو بلالؓ بن رباح کو مکہ کی پتھرلی زمین کے کھلے میدان میں لے جایا جاتا تھا اور انہیں برہنہ کر کے اس چمکیلاتی دھوپ میں ہاتھ پاؤں باندھ کر گرم ریت پر لٹا دیا جاتا، اور وہ ریت اور پتھر جن پر گوشت بھن کر کباب ہو جائے ایسے وقت وہ لعین آپ کے سینے پر پتھر اور گرم ریت ڈالتے تاکہ آپ ان تکالیف سے گھبرا کر محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دیں۔

سختیاں جس قدر شدت اختیار کرتی جاتیں آپ پر مستی عشق اور زیادہ غالب آ جاتی۔ بعض اوقات امیہ بن خلف کا رویہ اور زیادہ سخت ہو جاتا۔ وہ آپ کو مکہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتا جو آپ کو مکہ کے گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے اور سیدنا بلالؓ بن رباح کی زبان پر ایک ہی صدارتی:

”اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں ایمان لایا اس خدا پر جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ نہ صرف دن کو بلکہ جب شام ہوتی تو آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اندھیرے میں رکھا جاتا اور امیہ بن خلف اپنے غلاموں کو حکم دیتا:

”اسے باری باری کوڑے مارو یہاں تک کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے یا پھر اس کی روح اس کے جسم کا

”اس امیہ نے ایک روز مجھے موسم گرما میں باندھ کر تمام رات اسی حالت میں رہنے دیا۔ پھر دوپہر کے وقت برہنہ کر کے دھوپ میں سنگریزوں پر ڈال دیا اور گرم پتھر لا کر میرے سینے پر رکھ دیئے جس سے میں بے ہوش ہو گیا معلوم نہیں کس شخص نے وہ پتھر میرے سینے سے اتارے جب ہوش میں آیا تو شام ہو چکی تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا:

”وہ مصیبت میں کیسی نعمت ہے۔“ بعض روایات میں آیا ہے۔ ”وہ لعین لوہے کی سلاخیں گرم کر کے آپ کی زبان پر رکھ دیتا اور کہتا: ”اب تو محمد ﷺ کا نام لینا چھوڑ دے۔“ لیکن حضرت بلالؓ بن رباح اور زیادہ محمد (ﷺ)، محمد (ﷺ) کہتے یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے۔“ حضرت بلالؓ بن رباح کا بیان ہے: ”ایک روز اس خبیث نے مجھ پر ظلم ڈھایا کہ اونٹ کے بالوں کی ایک پچاس گز لمبی رسی میری گردن میں ڈال کر مکہ کے لڑکوں کو پکڑا دی وہ مجھے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کھینچتے یہاں تک کہ میری گردن زخمی ہو گئی۔ اس کے بعد مجھے خدا تعالیٰ نے اس سے نجات دی۔“ ورقہ بن نوفل کا ایک روز گزر ہوا۔ حضرت بلالؓ بن رباح حبشی پر ظلم و تشدد جاری تھا اور ان کی حالت دیکھ کر وہ تھرا اٹھے۔ کچھ دیر کھڑے ہو کر ان کی ”احداحد“ کی پکار سنی اور کہنے لگے: ”بخدا اے بلال! ”احداحد“ کے سوا کچھ نہیں۔“ روایت ہے کہ ابو جہل لعین نے حضرت بلالؓ کو دیکھ کر کہا:

”تم بھی وہی کہتے ہو جو محمد ﷺ کہتے ہیں۔“ پھر انہیں پکڑ کر منہ کے بل گرا کر دھوپ میں لٹا دیا اور ان کے سینے کے اوپر پچی کا پاٹ رکھ دیا اور وہ احد احد پکارتے رہے۔ ایک دن وہاں سے حضرت

ساتھ چھوڑ جائے اگر یہ اپنی بات پر قائم رہے تو صبح تک اسے کوڑے مارے جائیں۔“ دن گزرتے چلے گئے۔ ہر روز حضرت بلالؓ بن رباح پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے۔ ہر آنے والا دن پہلے سے زیادہ مشکل گزرتا مگر آپؐ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ آپ کی زبان پر صرف ایک ہی ورد جاری رہتا: ”اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں: ”میں ایک دن حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرا تو وہ ازلی بد بخت امیہ بن خلف آپ کو ایذا نہیں دے رہا تھا اور کہتا جاتا تھا: ”بتوں پر ایمان لے آؤ ورنہ تمہیں جان سے ہارنا پڑے گا۔“ آپ جواب دیتے: ”میں بتوں سے بیزار ہوں۔“ یہ سن کر امیہ بن خلف لعین کا غصہ اور تیز ہو جاتا پھر میں نے دیکھا کہ وہ آپ کے سینے پر چڑھ گیا اور دو زانو بیٹھ کر آپ کا گلا گھونٹنے لگا یہاں تک کہ آپ کی سانس بند ہو گئی اور بے حس و حرکت پڑے محسوس ہونے لگے۔ میں سمجھا کہ آپ فوت ہو گئے۔ میں جس کام کے لیے جا رہا تھا، اسے پورا کر کے واپس لوٹا تو ابھی تک آپ بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ میرے آتے وقت آپ اچانک ہوش میں آئے تو اس لعین نے پھر پوچھا:

”اے بلال بتوں پر ایمان لاؤ گے یا نہیں؟“ حضرت بلالؓ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کچھ کہا لیکن میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس لیے کہ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے آپ کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں:

”میں نے اس شخص سے سنا جس نے حضرت بلالؓ سے سنا تھا۔“ حضرت بلالؓ نے بتایا:

مجھے قطعاً پرواہ نہیں وہ مجھے شہید بھی کر ڈالے تو میرے بدن کا ہر مو (بال) یا رکنا پکارے گا۔“

حضرت بلالؓ کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو حازن تھی۔ آپ سراقہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کے اسلامی بھائی کا نام خالدؓ اور بہن کا نام عفرہؓ تھا۔ آپ حبشی النسل تھے۔ حضرت بلالؓ خالص حبشی تو نہ تھے بلکہ ان کی والدہ حبشی تھی لیکن ان کے والد عرب کی سرزمین ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا رنگ کالا تھا، جسم دبلا پتلا اور لمبا، سینہ آگے کو ابھرا ہوا تھا۔ سر پر گھنے بال تھے، رخساروں پر گوشت بہت کم تھا۔ ان اوصاف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالص حبشی نہ تھے۔

بعض تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ ان کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام خالدؓ اور کنیت ابو ریحہ تھی لیکن وہ ان کے حقیقی بھائی نہ تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم کیا تو خالد ان کے بھائی بنے تھے۔ حضرت بلالؓ کی پرورش مکہ میں قریش کے مشہور قبیلہ بنو نجیح میں ہوئی اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تینوں موزن حضرت بلالؓ، حضرت مخدورہؓ اور عمرو بن کلثومؓ نے مکہ کے اسی قبیلے میں پرورش پائی۔ زمانہ جاہلیت میں اس قبیلے کے لوگ تیروں کے ذریعے فال نکالا کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس قبیلے میں پرورش پانے کی وجہ سے حضرت بلالؓ کو اس قبیلے کی رسوں سے سخت نفرت ہو گئی تھی، اور رات دن دیکھتے رہتے تھے کہ ان کے قبیلے کے لوگ مکار تھے، دھوکہ باز تھے، رحمہ لی ان سے کوسوں دور تھی۔ یہی نفرت ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ (رضی اللہ عنہ ورضاعنہ)

میں حضور ﷺ سے جدائی نہیں چاہتا، آپ یہ شرط چاہے رکھیں یا نہ رکھیں۔“ حضرت بلالؓ کی استقامت و استقلال کا ان کو یہ صلہ ملا کہ رسول اللہ ﷺ کے موزن بنے اور سفر و حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں: ”امیہ بن خلف نے حضرت بلالؓ کو سستے داموں خریدا۔ وہ آپ سے دن بھر کام لیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت بلالؓ نے سرکار ﷺ کی زیارت کی تو ان ہی کے ہو کر رہ گئے۔ جسم کافر کا غلام کا تھا لیکن روح زلف مصطفیٰ ﷺ کی اسیر تھی۔ وہ تمام دن اپنے مالک کا کام کرتے رہتے لیکن دل یاد مصطفیٰ ﷺ کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ دست بکار دل بہ یار۔“ ایک دن جوش محبت میں حضرت بلالؓ احد احد اور محمد (ﷺ)، محمد (ﷺ) کے نعرے لگانے لگے۔ امیہ نے سنا تو مارنے لگا۔ ”تو محمد (ﷺ) کو کیوں پکار رہا ہے؟ اے میرے غلام کیا تو میرے دین کا منکر ہے؟“

مالک سخت دھوپ میں آپ کو کانٹوں کے ساتھ مارنے لگا لیکن حضرت بلالؓ بڑے افتخار کے ساتھ احد احد پکارنے لگے۔ اس دوران حضرت ابوبکرؓ بھی تشریف لائے۔ آپؓ بلالؓ کا حال دیکھ کر سخت مضطرب ہوئے۔ دوسرے دن پھر آپؓ نے یہی منظر دیکھا تو آپؓ نے حضرت بلالؓ کو علیحدگی میں مشورہ دیا کہ تمہارا مالک کافر ہے۔ اس کے سامنے محمد عربی ﷺ کا نام مبارک نہ لیا کرو۔ اپنے محبوب کو دل ہی دل میں یاد کر لیا کرو۔ حضرت بلالؓ نے جواب دیا: ”نہیں صدیق! یہ میرے بس کا روگ نہیں، رہی بات امیہ کے ظلم و ستم کی اس کی

ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو امیہ بن خلف کے گھر سے آہ وزاری کی آوازیں آرہی تھیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت بلال حبشیؓ کے ساتھ ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امیہ بن خلف کو ملامت کی: ”تیرا اس کام سے کیا سنو رہا ہے؟ تو بلالؓ کو اذیت نہ دے۔“ امیہ بن خلف نے کہا: ”میں نے اسے دام دے کر خریدا ہے۔ تیرا دل چاہتا ہے تو اسے خریدا لے۔“ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں ایک رومی غلام ”فسطاط“ تھا جو حضرت ابوبکرؓ کی دعوت اسلام قبول نہیں کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”وہی غلام اور ساتھ چالیس اوقیہ چاندی لے کر بلالؓ میرے حوالے کر دو۔“ امیہ بن خلف نے منظور کر لیا سودا طے پا جانے کے بعد امیہ بن خلف ہنسنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سبب پوچھا تو امیہ بن خلف نے کہا: ”تم اتنے زمانہ شناس انسان ہو اور کامیاب تاجر ہو مگر آج تم نے گھاٹے کا سودا کر لیا۔ مجھے بے حد قیمتی غلام اور ساتھ چالیس اوقیہ چاندی دے کر ایک بیکار غلام خریدا لیا۔ ایسے غلام کو جسے میں ایک درہم کے عوض فروخت کرنے پر تیار تھا۔“ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ”بخدا آج تو مجھ سے بلالؓ کے عوض میں یمن کی بادشاہت بھی مانگتا تو وہ بھی تجھے دینے کو تیار تھا۔“ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کے گرد و غبار کو اپنی چادر سے صاف کیا اور امیہ بن خلف کے سامنے انہیں نیا لباس پہنایا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسے آزاد کیا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں زندگی بسر کرے۔“ حضرت بلالؓ نے عرض کیا:



جاری ہیں لیکن آج ادائیگی فرض کے لئے کوئی انجمن موجود نہیں ہے، کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہیں وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔ مزدور کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے اور سرمایہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں؟ مرد کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے اور اس کے لئے کوشش اور جدوجہد جاری ہے اور بیوی کہتی ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہو رہے ہیں وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے، اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں۔ شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کے حقوق ادا ہو گئے اور بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ شریعت کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

☆ زندگی استوار کرنے کا طریقہ

تو میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ دونوں کو ان کے فرائض بتا دیئے۔ شوہر کو بتا دیا کہ تیرے فرائض یہ ہیں اور بیوی کو بتا دیا کہ تیرے فرائض یہ ہیں۔ ہر ایک اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرے اور درحقیقت زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے۔ کہ دونوں اپنے فرائض کا احساس کریں، اپنے حقوق حاصل کرنے کی اتنی فکر نہ ہو جتنی دوسرے

# ازدواجی زندگی میں بیوی کے فرائض اور شوہر کے حقوق



مولانا احمد قاسمی

ضمانت ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح شوہر کے ذمہ بیوی کے حقوق عائد کئے گئے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عورت کے ذمہ شوہر کے حقوق بھی بیان فرمائے اور قرآن وحدیث میں ان دونوں قسموں کے حقوق کی ادائیگی پر بڑا زور اور بڑی تاکید کی گئی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے۔ حقوق کے مطالبے پر زور نہیں دیا گیا۔ آج کی دنیا حقوق کے مطالبے کی دنیا ہے ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے اور اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے، ہڑتال کر رہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کر رہا ہے، گویا کہ اپنا حق مانگنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کیلئے دنیا بھر کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ انجمنیں قائم کی

قال الله تعالى: اَلرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا آتَفَقُوا مِنْ أَمْرِ الْإِهِمَّ ط فَالصَّالِحَاتُ قُنِينَ حَفِظْنَ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ (سورہ نساء: ۳۴)

پہلا حصہ ان حقوق کے بیان میں تھا جو ایک بیوی کے حقوق اس کے شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں جس میں مرد کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا اور یہ ہدایت دی گئی کہ ایک شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ کس قسم کا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن شریعت جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے، وہ صرف ایک پہلو کو مد نظر رکھنے والا قانون نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دونوں جانبوں کی برابر رعایت ہوتی ہے اور دونوں کیلئے دنیا و آخرت کی صلاح فلاح کی

کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہو۔ اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر یہ زندگی استوار ہو جاتی ہے، اگر انسان ان پر عمل کر لے تو دنیا بھی درست ہو جائے اور آخرت بھی درست ہو جائے۔

☆ مرد و عورت پر حاکم ہے

اس لئے بیوی کے حقوق کے بعد اب شوہر کے حقوق کو بیان کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسلام کی نظر میں مرد اور عورت دونوں انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں، عورت کسی بھی طرح کمتر یا حقیر مخلوق نہیں ہے جیسا کہ دیگر قوموں میں یہ نظریہ پایا جاتا ہے۔

لیکن جہاں تک ان کے فرائض و واجبات کا تعلق ہے ان دونوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے، چنانچہ گھریلو انتظام کے نقطہ نظر سے اسلام نے مرد و گھر کا رکھوالا یا منتظم تسلیم کیا ہے اس اعتبار سے وہ عورت کا نگران و محافظ ہے کیونکہ وہ اپنا مال خرچ کر کے اسے بیاہ کر لاتا ہے اس کے لئے گھر اور دیگر

آسائشیں فراہم کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جب وہ اپنی شریک حیات کیلئے بے انتہا تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتا ہے تو پھر اسے گھر اور خاندان پر حاکمانہ اختیارات بھی حاصل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”الزَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ“ یعنی مرد و عورتوں پر نگہبان اور منتظم ہیں۔ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مرد و عورتوں پر حاکم ہیں۔ ”قَوَّامٌ“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام کرنے یا اس کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہو گیا کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں، ان کے کاموں کے منتظم ہیں اور ان کے حاکم ہیں، یہ اصول بیان فرمادیا۔ اس لئے کہ اصولی باتیں ذہن میں نہ ہونے کی صورت میں جتنے کام انسان کرے گا وہ غلط تصورات کے

ماتحت کرے گا لہذا مرد کے حقوق بیان کرتے ہوئے عورت کو پہلے اصولی بات سمجھا دی کہ وہ مرد تمہاری زندگی کے امور کا نگہبان اور منتظم ہے اور تم پر حاکم ہے۔

☆ آج کی دنیا کا پروپیگنڈہ

آج کی دنیا میں جہاں مرد و عورت کی مساوات، ان کی برابری اور آزادی نسواں کا بڑا زور و شور ہے،

اب دور استے ہیں یا تو مرد کو اس زندگی کے سفر

کا امیر بنادیا جائے، یا عورت کو امیر بنادیا جائے

اور مرد کو اس کا محکوم بنادیا جائے تیسرا کوئی راستہ

نہیں ہے، اب انسانی خلقت، فطرت، قوت اور

صلاحیتوں کے لحاظ سے اور عقل کے ذریعے بھی

انسان غور کرے، تو یہی نظر آئیگا کہ اللہ تعالیٰ

نے جو قوت و طاقت مرد کو عطا کی ہے،

ایسی دنیا میں لوگ یہ بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں کہ شریعت نے مرد کو حاکم بنایا ہے اور عورت کو محکوم بنایا ہے۔ اس لئے کہ آج کی دنیا میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مرد کی عورت پر بالادستی قائم کر دی گئی ہے اور عورت کو محکوم بنا کر اس کے ہاتھ میں قید کر دیا گیا ہے اور اس کو چھوٹا قرار دے دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ مرد و عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں زندگی کا سفر دونوں کو ایک ساتھ طے کرنا ہے، اب زندگی کے سفر کے طے کرنے میں انتظام کی خاطر یہ لازمی بات ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک شخص سفر کا ذمہ دار ہو، اسلئے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جب بھی دو آدمی کوئی سفر کر رہے ہوں چاہے وہ

سفر چھوٹا سا کیوں نہ ہو اس سفر میں اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لو امیر بنائے بغیر سفر نہیں کرنا چاہئے تاکہ سفر کے تمام انتظامات اور پالیسی اس امیر کے فیصلے کے تابع ہو اگر امیر نہیں بنائیں گے تو ایک بد نظمی ہو جائے گی۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد حدیث ۲۶۰۸)

لہذا جب ایک چھوٹے سے سفر میں امیر بنانے کی تاکید کی گئی ہے تو زندگی کا ایک طویل اور لمبا سفر جو ایک ساتھ گزارنا ہے اس میں تاکید کیوں نہیں ہوگی کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لوتا کہ بد نظمی پیدا نہ ہو بلکہ انتظام قائم رہے، اس انتظام کو قائم کرنے کیلئے کسی ایک کو امیر بنانا ضروری ہے۔

زندگی کے سفر کا امیر کون ہو؟

اب دور استے ہیں یا تو مرد کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنادیا جائے، یا عورت کو امیر بنادیا جائے اور مرد کو اس کا محکوم بنادیا جائے تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے، اب انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے اور عقل کے ذریعے بھی انسان غور کرے، تو یہی نظر آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوت و طاقت مرد کو عطا کی ہے، بڑے بڑے کام کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے وہ عورت کو عطا نہیں کی۔ لہذا اس امارت اور سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے اور اس کے لئے اپنی عقل سے فیصلہ کرنے کی بجائے اس ذات سے

پوچھا جائے جس نے ان دونوں کو بنایا اور پیدا کیا، کہ آپ نے دونوں کو سفر پر روانہ کیا آپ ہی بتائیں کہ کس کو امیر بنائیں اور کس کو مامور بنائیں؟ اور سوائے اس فیصلے کے کسی اور کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہو سکتا خواہ وہ فیصلہ عقلی دلائل سے آراستہ ہو۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ مرد قوام اور منتظم ہے اور - اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا گھر کا سربراہ ہے تو عورت کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے کہ میں نے ایک بات کا ارادہ کیا اور اللہ نے ایک

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، بوجہ اس حق کے جو اللہ نے ان مردوں کا عورتوں پر لکھا ہے۔

شوہر کی تعظیم و تکریم کرے، اس کو اپنا بڑا خیال کرے اور اس کی عظمت و حرمت کا پاس رکھے۔ (قرطبی ۵/۱۶۸ روح المعانی ۲۳/۵)

☆ عورت کیلئے شوہر کا مقام اس آیت اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ مرد (شوہر) کا اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں کیا مقام و مرتبہ ہے، بہر حال عورت پر مرد کے بہت سارے حقوق ہیں اسی بنا پر شوہر کو عورت کا مجازی خدا قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، بوجہ اس حق کے جو اللہ نے ان مردوں کا عورتوں پر لکھا ہے۔ (ابوداؤد ۱/۲۹۱)

اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کا کتنا اونچا مقام و مرتبہ بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کی اجازت ہوتی تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ مرد کو سجدہ کرے۔ لہذا عورت کو چاہیے کہ وہ مرد کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گزارے۔ آج کی عورتوں نے یورپ و امریکہ کی تقلید میں شوہر کی عظمت و حرمت کا پاس و خیال ہی چھوڑ دیا ہے اور مساوات مساوات کا کھوکھلا نعرہ لگا کر اسلام کی اس تعلیم کے خلاف چلنا شروع کر دیا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ اسلام سے زیادہ مساوات کا سبق دینے والا

اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ اس زندگی کے سفر کو طے کرنے کیلئے مرد قوام حاکم اور منتظم ہیں اگر تم اس فیصلے کو صحیح جانتے ہو اور مانتے ہو تو اسی میں تمہاری کامیابی اور سعادت ہے اور اگر نہیں مانتے بلکہ اس فیصلے کی خلاف ورزی کرتے ہو اور اس کے ساتھ بغاوت کرتے ہو تو پھر تم جانو تمہارا کام اور تمہاری زندگی جانے، تمہاری زندگی خراب ہوگی اور ہو رہی ہے جن لوگوں نے اس فیصلے کے خلاف بغاوت کی ان کا انجام دیکھ لیجئے کیا ہوا؟

☆ اسلام میں امیر کا تصور: البتہ اللہ تعالیٰ نے جو لفظ یہاں استعمال فرمایا اس کو سمجھ لیجئے اللہ تعالیٰ نے یہاں امیر، حاکم، بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ قوام کا لفظ استعمال کیا قوام کے معنی وہ شخص جو کسی کام کا ذمہ دار ہو اور ذمہ دار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بحیثیت مجموعی، زندگی گزارنے کی پالیسی وہ طے کرے گا اور پھر اس پالیسی کے مطابق زندگی گزاری جائیگی لیکن قوام ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ آقا ہے اور بیوی اس کی کنیز ہے یا بیوی اس کی نوکر ہے بلکہ دونوں کے درمیان امیر مامور حاکم اور محکوم کا رشتہ ہے اور اسلام میں امیر کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ تخت پر بیٹھ کر حکومت چلائے بلکہ اسلام میں امیر کا تصور وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ“ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۷۰۱)

لہذا امیر کے معنی یہ ہیں کہ بیشک فیصلہ اس کا معتبر ہو گا، ساتھ ہی وہ فیصلہ ان کی خیر خواہی کیلئے ہوگا ان کی خدمت اور راحت کیلئے ہوگا۔

☆ عورت کی ذمہ داریاں

ناراض ہوتا ہے کہ عورت اللہ کے حکموں پر چلتی ہے تو اس کی یہ ناراضی حدود شرع سے متجاوز ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ ہاں نوافل، مستحبات کے ادا کرنے میں عورت کو چاہیے کہ شوہر کی رضا کا لحاظ رکھے۔ مثلاً نفل نماز پڑھنے یا نفل روزے رکھنے سے شوہر کے حقوق میں کوتاہی لازم آتی ہو تو عورت کو نفل نماز و نفل روزے کی اجازت نہ ہوگی مگر یہ کہ شوہر اجازت دیدے تو پھر درست ہوگا چنانچہ حدیث میں ہے۔

(۱) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کے لئے حلال و جائز نہیں کہ وہ روزہ رکھے جبکہ اس کا شوہر موجود ہو مگر اس کی اجازت سے۔ (رکھ سکتی ہے) (بخاری ۷۸۲/۲)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت رمضان کے سوا کوئی اور روزہ نہ رکھے جبکہ اس کا خاوند موجود ہو مگر یہ کہ اس کی اجازت ہو (تو پھر جائز ہے)۔ (ابوداؤد ۱۷۳۳/۳)

☆ شوہر کی اطاعت و خدمت:

اوپر ذکر کی گئی احادیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کا مقام و مرتبہ اتنا ہے کہ نفل عبادات بھی شوہر کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دے سکتی، جب نفل عبادات کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے تو دیگر امور میں تو بدرجہ اولیٰ شوہر کی اطاعت لازم ہے۔ چنانچہ اسلام نے شوہر کی اطاعت و خدمت کو عورت کے کمال و خوبی میں شمار کیا ہے اور اس کو عورت پر لازم بھی قرار دیا ہے اور جنتی عورت اس کو قرار دیا ہے جو اپنے شوہر کی اطاعت و خدمت کر کے اس کو

ایک اور روایت میں امی عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔ (جمع الفوائد) بیوی پر شوہر کے اس قدر حقوق عائد ہوتے ہیں کہ ان کی ادائیگی کے بغیر اس کی عبادت و بندگی بھی ناقص رہے گی۔ "لَا تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتَّى تُؤَدِّي

کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر مساوات کا یہ مطلب لینا بالکل عقل و فطرت کے خلاف ہے کہ کسی کی عظمت و حرمت کا پاس و لحاظ نہ رکھا جائے۔ کیا کوئی شخص تمام انسانوں کے بحیثیت انسان مساوی اور برابر ہونے کا یہ مطلب نکال سکتا ہے؟ کہ کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں، باپ اور بیٹے کا ہر اعتبار سے ایک ہی مرتبہ ہے، استاذ و شاگرد میں کوئی تفاضل نہیں اور حاکم

شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضا و خوشی کا اہتمام و خیال صرف اس موقع پر ضروری و لازم ہے جبکہ اس سے خدا کی نافرمانی و ناراضی لازم نہ آتی ہو

حَقَّ زَوْجِهَا" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے وہ اپنے رب کا حق بھی ادا نہیں کر سکتی۔ (ابن ماجہ کتاب الزکاح ۱/۵۹۵) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبول ہوتی ہے نہ ان کی کوئی نیکی (آسمان کی طرف) چڑھتی ہے۔ ایک وہ غلام جو بھاگ گیا ہو، جب تک وہ اپنے آقا کی طرف لوٹ کر نہ آجائے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ دیدے (اطاعت کرے) دوسری وہ عورت جس پر اس کا خاوند ناراض ہو۔ تیسرا وہ شرابی جب تک کہ نشہ اس کا نہ اترے۔ (بیہقی - مشکوٰۃ ص ۲۸۳)

ورعایا سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں؟ ظاہر ہے کہ مساوات کا یہ معنی ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ اسی طرح مرد اور عورت کی مساوات کا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ دونوں میں کسی بھی اعتبار سے کوئی فرق نہیں اور شوہر کو کسی بھی اعتبار سے تفوق نہیں۔ غرض یہ کہ اسلام میں شوہر کو ایک عظمت و بلندی و مرتبہ حاصل ہے اور عورت پر لازم ہے کہ اس کا لحاظ رکھے۔ امی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اے عورتو! اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے مردوں کا تم پر کیا حق ہے تو تم اپنے شوہروں کے قدموں کی غبار و دھول کو اپنے گالوں سے صاف کرو گی۔

(الکلباء للذہبی ص ۱۷۴)

ایک حدیث میں جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور احمد نسائی نے روایت کیا ہے اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے شوہر کا۔ (فتح الباری ۱۰/۴۰۲)۔



راضی کر لے۔ ”اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَوُجِّهَتْهَا رَاضٍ

دَخَلَتْ الْجَنَّةَ“۔ (ترمذی ۴۶۶۳)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اس حال میں مر جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی رہا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت اگر پانچ وقت کی نماز پڑھے، اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۱)

اس حدیث میں شوہر کی اطاعت کرنے والی عورت کو خوشخبری سنائی گئی کہ وہ ضرور جنت میں جائیگی اور اس کو اختیار ہوگا کہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے، اس میں اشارہ ہے کہ اس کو کوئی چیز دخول جنت سے مانع نہ ہوگی اور جلد سے جلد جنت میں پہنچ جائیگی۔ (مرقات ۱/۲۷۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”اَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ“ کہ سب سے اچھی عورت کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جو اپنے شوہر کو خوش کر دے جب وہ اس کو دیکھے اور اس کی فرمانبرداری کرے جب وہ کوئی حکم دے اور اس کے خلاف نہ کرے نہ اپنے نفس میں اور نہ اپنے مال میں جس کو وہ ناپسند کرے (نسائی ۱/۷۲، مشکوٰۃ ص ۲۸۳)

بزرگوں نے فرمایا کہ عورت کو جنت میں جانے کیلئے مرد کی رضا کا ٹکٹ چاہیے اور مرد کو جنت میں جانے کیلئے ماں کی رضا کا ٹکٹ چاہیے لہذا اگر خاوند ماں کی خدمت میں لگا رہے تو بیوی کو روکنا نہیں چاہئے نہ برا سمجھنا چاہئے اس لئے کہ وہ ماں کی خدمت کر

کہ جنت کما رہا ہے۔

★ شوہر کے حقوق کی اہمیت

مرد کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے حقوق کا خیال رکھا جائے، مرد کے حقوق میں ایک اہم حق یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے جنسی تقاضوں کو پورا کرے۔ حدیث ”اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِعَاجِبِهِ فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى النَّتُوْرِ“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شوہر بیوی کو اپنی حاجت کیلئے بلائے تو وہ چلی آئے خواہ وہ چولھے کے پاس ہی ہو۔ ”اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيَنِّي لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بستر پر بلائے مگر وہ انکار کر دے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(بخاری کتاب النکاح ۶/۱۵۰)

اور بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ شوہروں کے بلاوے پر ٹال مٹول کرنے والی عورتیں بہت بری ہوتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ لعنت کرے ٹال مٹول کرنے والی عورتوں پر، جسے شوہر اپنے بستر پر بلاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ بعد میں بعد میں، یہاں واضح رہے کہ فطری اعتبار سے عورت کی نسبت مرد میں جنسی خواہشیں نہ صرف زیادہ ہوتی ہیں بلکہ بعض مردوں کو اپنی اس خواہش پر قابو رکھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اور عورت اکثر و بیشتر مرد کے ان تقاضوں کو پورا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی اسی بناء پر مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ وہ غلط یا ناجائز طریقے اختیار کرنے کے بجائے جائز اور حلال طریقے سے اپنی خواہش پوری کر سکیں اسی فطری حقیقت کی بناء پر حدیث نبوی

میں مرد کے بلاوے پر عورت کو ٹال مٹول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہذا اگر ایک ہوشیار عورت شوہر کی عادت اور اس کے مزاج کے مطابق اسے ہر حال میں خوش اور مطمئن رکھنے کی کوشش کرے تو شاید دوسری شادی کی نوبت نہ آئے اس لئے ایک عورت کو اپنے گھر گرہستی کے لئے کبھی کبھی اپنے نفس پر جبر کرنا پڑے گا اور نہ چاہتے ہوئے بھی شوہر کی خواہش کے سامنے سر نیاز جھکا کرنا پڑے گا اسی میں ان دونوں کا فائدہ ہے ورنہ دوسری شادی مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ اس سے مسائل اور بھی بڑھ سکتے ہیں (اسلام کا قانون نکاح ص ۲۳۶)

☆ خلاف شرع امور میں شوہر کی اطاعت نہیں:

حاصل یہ کہ عورت اپنے شوہر کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور اسے راضی اور خوش کرنے کی تدبیر کرے مگر ایک بات ذہن میں رہے کہ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضا و خوشی کا اہتمام و خیال صرف اس موقع پر ضروری و لازم ہے جبکہ اس سے خدا کی نافرمانی و ناراضی لازم نہ آتی ہو اگر شوہر ایسی بات کا حکم دے جس سے خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو یا اس کی ناراضی پر مشتمل ہو تو وہاں ہرگز شوہر کی بات نہیں مانی جائیگی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ امی عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ انصار کی ایک عورت نے اپنی لڑکی کی شادی کی پس اس کے سر کے بال گرنے لگے وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرے شوہر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے بالوں میں دوسرے بال ملاؤں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بال میں بال ملانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے۔ (بخاری ۲/۷۸۴)

(جاری ہے)

ارشاد بھٹی

# کوئی پاگل ہی ہوگا!

دوستو! بات پھر وہی کہ جس دیس میں جانوروں کے مزے اور انسانوں کی مشکلیں بڑھتی جا رہی ہوں وہاں کون پاگل ہوگا جو پھر بھی انسان رہے۔

پورا واقعہ سنا کر اشتراک اوصاف نے عینک اتاری، دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں اور پھر رندھی ہوئی آواز میں بولے ”جب انسان جانور بن جائے تو پھر ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں اور دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں جانور بڑھتے اور انسان گھٹتے جا رہے ہیں“ یہ کہہ کر وہ بات کرتے کرتے رکے، عینک پہن کر گھڑی سے وقت دیکھا اور پھر خدا حافظ کہتے ہوئے اگلی میٹنگ کے لیے کمرے سے نکل گئے۔ گزشتہ بیس سالوں سے جیلوں اور قیدیوں کی بہتری کے لیے کام کرتے نامور قانون دان اشتراک اوصاف سے یہ واقعہ سن کر بلاشبہ بہت شرمندگی اور دکھ ہوا، مگر جہاں تک ان کی یہ بات کہ ”کہ ہمارے ہاں جانور بڑھتے اور انسان گھٹتے جا رہے ہیں“ تو جس دیس میں جانوروں کے مزے اور انسانوں کی مشکلیں

بڑھتی ہی جا رہی ہوں، وہاں کون پاگل ہوگا جو پھر بھی انسان ہی رہیں، بلکہ اب تو 68 سالوں سے راج کرتے 600 خاندانوں اور ان کے تابعدار کروڑوں افراد کے آپس کے تال میل نے نوبت یہاں تک پہنچادی کہ طبقہ اشرافیہ کو تو چھوڑیں اب تو اس طبقے کے جانور بھی انسانوں سے بہتر۔ اگر یقین نہیں آ رہا تو اشتراک اوصاف کا سنایا ہوا واقعہ کچھ دیر بعد سہی، پہلے چند نمونے ملاحظہ ہوں، اپنے ملک کے شاہی جانوروں اور عام انسانوں کے، مزانہ آئے تو پیسے واپس۔ 27 اکتوبر 1958 کی رات جب آرمی چیف ایوب خان کی فوجی ٹیم ایوان صدر کے ڈرائنگ روم میں صدر اسکندر مرزا سے زبردستی استعفیٰ پر دستخط کروا رہی ہوتی ہے تو عین انہی لمحوں آنے والی بیگم ناہید مرزا جرنیلوں میں گھرے اپنے بے بس خاوند کو دیکھتے ہی صورت حال بھانپتے ہوئے چیخ مار کر کہتی ہیں ”ہائے میری بلیوں کا کیا بنے گا“ مطلب، ملک باقاعدہ پہلے مارشل لاء اور قوم پہلے ڈکٹیٹر کے حوالے، لیکن بیگم صاحبہ کو فکر اپنی بلیوں کی۔

ایک طرف سردار نامی وہ گھوڑا جسے صدر ایوب کو امریکی صدر کینیڈی کی اہلیہ جیکولین کو تحفے میں دینا تھا، اسے 4 ڈاکٹر روزانہ چیک کریں اور 10 خدمتگار اس کے خزانے اٹھائیں لیکن دوسری طرف اسی گھوڑے کا ایک خدمتگار لیاقت علی وقت پڑنے پر اپنی حاملہ بیوی کے لیے ڈاکٹر نہ لاسکا اور نہ ہی اسے ہسپتال لے جاسکا لہذا اسکی بیوی محلے کی 2 عورتوں کے ہاتھوں گھر پر زچگی کے دوران مر گئی۔ ایک طرف رائیونڈ کے محل میں ایک جنگلی بلا جب شاہی موروں کو زخمی کرتا ہے تو نہ صرف 21 پولیس اہلکاروں کو شوکا زخموں سے ملے بلکہ جرم ثابت ہونے پر

3 اہلکار معطل ہوں اور پھر چند دنوں میں ہی ملزم اشتہاری بلے کو منطقی انجام تک پہنچا دیا گیا، یہی نہیں اسی ہاؤس پر سیکورٹی اہلکاروں عابد اور سیف اللہ نے شاہی باغ سے چوری چھپے (شاہی) امرود توڑ کر کھائے تو کیمرے کی آنکھ نے ان کی چوری پکڑی اور اگلے ہی دن انہیں نوکری سے نکال دیا گیا، لیکن دوسری طرف خضدار سے 10 کلومیٹر کی دوری پر سڑک کے کنارے اپنے جسم سے خود ہی کیڑے نکالتا بابا نصیب اس لیے پاگل ہوا کہ جب اس نے اپنے سردار کے گھر نوکریاں کرتے اپنے پوتوں کو اسکول داخل کروایا تو اس جرم پر سردار نے پہلے 6 ہفتے تک اس کے خاندان کو قید کیے رکھا پھر معافی مانگنے کی بجائے تھانے جانے پر بابا نصیب کی خاندان کو وہاں پہنچا دیا گیا کہ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اسی طرح شیخوپورہ کا وہ اصغر مصلیٰ جو اس لیے پاگل خانے جا پہنچا کہ اس نے زیادہ تنخواہ ملنے پر جب ایک چوہدری کو چھوڑ کر دوسرے چوہدری کے ہاں نوکری کر لی تو اچھی نکل والے چوہدری نے اصغر مصلیٰ کی بیوی کو برہنہ کر کے اپنے بھینسوں کے ساتھ باندھ دیا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ بابا نصیب اور اصغر مصلیٰ انصاف کو ترستے ترستے مر گئے مگر انہیں انصاف نہیں ملا اور ملتا بھی کیسے کیونکہ وہ انسان تھے شاہی مور نہیں۔ اور پھر ایک طرف جہاں بلاول بھٹو کی بلیوں اور طوطوں، عمران خان اور مشرف کے کتوں، زرداری صاحب کے گھوڑے، بکریوں، اونٹنیوں اور موجودہ حکمرانوں کی بھینسوں سمیت لاتعداد پالتو جانوروں کے ماحول انیر کنڈیشنڈ، ان کا رہن سہن شاہانہ، ان کے کھانے، نہانے اور ٹھکانے کا وقت

مقرر، یہ ذرا ساسست پڑ جائیں تو ڈاکٹروں کا پیٹنل بیٹھ جائے اور انکی خالص دیسی اور ڈبہ بند ولایتی خوراکیں، جبکہ دوسری طرف سرکاری ہسپتالوں میں درد کی ایک ایک گولی کے لیے رُلتی مخلوق دیکھ لیں، یا تھر پارکر، عمر کوٹ اور سانگھڑ کے ان بچوں پر نظر مار لیں کہ جو کم خوراک اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے پر 100 میں سے 50 اپنی پہلی سالگرہ سے پہلے ہی مرجائیں، پھر کیٹی بندر کا وہ گٹھ جس کی

”جب انسان جانور بن جائے تو پھر ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں اور دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں جانور بڑھتے اور انسان گھٹتے جا رہے ہیں“

مسلل تیسری نسل اس لیے ننگے پاؤں کہ انہیں علم ہی نہیں کہ جوتا بھی لباس کا حصہ ہوتا ہے اور گھارو کا وہ گاؤں کہ جس کے 90 فیصد لوگوں کی 90 فیصد پینائی اس لیے چلی گئی کہ خچروں اور گدھوں کا وہ گوبر (لہ) جلا کر کھانا پکائیں کہ جس کا دھواں اتنا زہریلا کہ بالآخر انسان کو ناپینا پن کے دروازے تک لے آئے۔ یہاں لاہور کی وہ ریشماں بھی یاد رہے کہ جو دو ہفتے قبل سارا دن ایک بیڈ کی آس میں ہسپتال کی سیڑھیوں پر بیٹھی رہی اور پھر وہیں بچہ پیدا کر کے گھر چلی گئی۔ گو کہ جانوروں اور عام انسانوں کے لاتعداد قصے اور بھی، مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کی دماغ کشائی کے لیے یہ چند نمونے ہی کافی ہوں گے لہذا اب

اشتراک اوصاف کا وہ واقعہ اس یاد دہانی کے ساتھ کہ خانقاہ کے بازار میں جب ایک یہودی نے مسلمان عورت کا نقاب کھینچا تو اس یہودی کے قتل کے بعد بھی مسلمانوں کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا اور انہوں نے یہودیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، لیکن آج مسلمانوں نے اپنی کلہ گوبہنوں، بیٹیوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہوا تھا، یہ اشتراک اوصاف کی زبانی سنئے ”یہ 1997 کی بات ہے میں وزیر اعظم نواز شریف کا انسانی حقوق کا مشیر تھا، ایک روز ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ کا معائنہ کرتے ہوئے اچانک میری نظر ایک ایسی بیرک پر پڑی کہ جس کے روشندان، کھڑکیاں حتیٰ کہ سلاخوں والا دروازہ بھی ٹین کی چادر سے بند کیا ہوا تھا، میں نے جیل حکام سے پوچھا، کیا یہ بیرک خالی ہے؟ جواب ملا ”نہیں اس میں بھی قیدی ہیں“ میں نے حیران ہو کر کہا ”تو پھر یہ اس طرح بند کیوں؟“ جواب دیا گیا ”اس لیے کہ اس بیرک میں خطرناک قیدی ہیں“ میں نے کہا: ”کون سے خطرناک قیدی؟؟؟۔۔۔ ذرا مجھے اس بیرک کا رجسٹر تو لا کر دکھائیں“ جیل حکام آئیں بائیں شائیں کرنے لگے تو میں نے سختی سے کہا کہ ”رجسٹر بھی لاؤ اور میرے سامنے ابھی دروازے سے ٹین کی چادر بھی ہٹاؤ“ خیر نہ رجسٹر تھا اور نہ لایا گیا البتہ کافی حیل و حجت کے بعد جب جیل حکام نے دروازے سے ٹین کی چادر ہٹائی تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ 50 قیدیوں کی گنجائش والی اس بیرک میں 100 سے زیادہ خواتین ننگے فرش پر انتہائی خستہ حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ یوں جڑ کر بیٹھی تھیں کہ جیسے انہیں آپس میں گوند سے چپکا دیا گیا ہو چونکہ میں سب سے آگے تھا لہذا ٹین پر بقیہ صفحہ (46) پر

# نماز اور صحت



## ایک سائنسی رپورٹ

لیکن سجدے کی حالت میں دل کا کام آسان ہو جاتا ہے، جیسے گاڑی نشیب کی طرف چلنے میں آرام میں رہتی ہے۔ مگر رات اور دن میں کئی بار رکوع و سجود کرنے والے کا دل بہت سے اوقات میں راحت و آرام پالیتا ہے۔

### ڈاکٹر نبیلہ ظہیر

اس کی اہم سرگرمیوں کو جانیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ دل جسم انسانی کا اہم ترین عضو ہے۔ دل تو اس وقت بھی کام کر رہا ہوتا ہے جب انسان ابھی جنین کی صورت میں اپنی ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ اس وقت سے لے کر انسان کی زندگی کے آخری لمحات تک دل مسلسل جسم کی تمام اطراف و جوانب میں خون پہنچانے میں مشغول رہتا ہے۔ سینے کی سطح سے بلند جتنے اعضا ہیں، مثلاً سر، ان تک خون پہنچانا دل کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ ان تک خون کو دھکیلنے کے لیے اسے زیادہ زور لگانا پڑتا ہے۔ تاہم، جب انسان رکوع اور سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو دل کے لیے دماغ، آنکھ، ناک، کان اور زبان وغیرہ تک خون پہنچانا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ان اعضا کا تعلق سر سے ہے اور سر سجدے

اسلامی عبادات کے اسرار، حکمتیں اور فوائد بھی اتنے ہی زیادہ ظاہر ہوتے جائیں گے۔

### امراض قلب سے حفاظت

نماز کے یوں تو متعدد صحت بخش فوائد ہیں مگر اس کا سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو امراض قلب سے محفوظ رکھتی ہے۔ انسانی دل ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے، یہ اس کا زندگی بھر کا معمول ہے۔ تاہم جب نمازی نماز کے دوران رکوع و سجود کرتا ہے تو اس سے دل کو سہولت و آرام ملتا ہے۔ اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم ان صحت بخش فوائد کا تجزیہ کریں، جو نماز کی بدولت انسان کے دل اور اس کے بدنی اعضاء کو حاصل ہوتے ہیں، ضروری ہے کہ ہم دل کی کارکردگی اور

نماز سب سے افضل عبادت ہے۔ یہ بدنی عبادت ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں ہی باز پرس ہوگی۔ نمازی کو یہ شعور ہوتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور اس کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہے اور اس کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کر رہا ہے۔ عبادات میں سے نماز کی تاکید قرآن وحدیث میں سب سے زیادہ ہے، لہذا اس کے فوائد و ثمرات بھی دنیا و آخرت میں بہت زیادہ ہیں۔ یوں تو اہل علم نے نماز کے اجتماعی، سماجی، اور اخلاقی فوائد پر کافی گفتگو کی ہے مگر نماز کے صحت سے متعلق فوائد پر سیر حاصل بحث نہیں کی۔

اس مضمون میں نماز کے صحت سے متعلق فوائد و برکات پر مختصراً عرض کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ انسانی علوم و معارف میں جتنا اضافہ ہوتا جائے گا،



میں دل سے پست وزیریں سطح پر ہوتا ہے۔ اس حالت میں دل کی سخت مشقت میں کمی اور اس کے کام میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ دل کو یہ آرام و راحت صرف سجدے کی حالت میں نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب ہم کھڑے ہوتے ہیں یا بیٹھتے ہیں یا جب ہم تکیے پر سر رکھ کر لیٹتے ہیں تو سر دل سے اونچائی کی حالت میں ہوتا ہے لہذا ان صورتوں میں دل کو مکمل آرام نہیں ملتا۔ لیکن سجدے کی حالت میں دل کا کام آسان ہو جاتا ہے، جیسے گاڑی نشیب کی طرف چلنے میں آرام میں رہتی ہے۔

اس پر ہرگز تعجب نہ ہونا چاہیے کہ دل کو سجدے کی حالت میں اپنی کارکردگی میں جو آسانی اور سہولت ملتی ہے، اس سے دل کے دورے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ دل کا دورہ پڑنا اس دور کی عام پھیلی بیماریوں میں سے سب سے خطرناک ہے۔ یاد رہے کہ دل جب اپنی مسلسل محنت سے تھک جاتا ہے تو انسان سستی، کمزوری، اضمحلال، سر درد، سرچکرا، سینے میں درد، بے ہوشی اور خرابی طبیعت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جدید طب میں ان تمام علامات کا علاج یہ ہے کہ دواؤں کے ذریعے دل کو سرگرم و مستعد کر دیا جائے۔ دواؤں کے ذریعے دل کو یوں مصنوعی طور پر سرگرم و مستعد کرنے کے نتیجے میں کبھی کبھی دل تباہ ہی ہو جاتا ہے، اور اس کی مکمل بربادی سے پہلے اس کی طبیعتی کارکردگی بتدریج کمزور پڑنے لگتی ہے، مگر رات اور دن میں کئی بار رکوع و سجود کرنے والے کا دل بہت سے اوقات میں راحت و آرام پالیتا ہے۔ نمازی کے دل کو ملنے والا یہ آرام، دل کے سخت مشقت کے عمل میں تخفیف (relief) کا سبب بنتا ہے اور خطرات سے بچنے

میں دل کی مدد کرتا ہے۔

دماغ کو تقویت

سجدہ کرنے کے فوائد محض دل تک محدود نہیں ہیں بلکہ سجدہ کرنے سے دماغ کو بھی مدد ملتی ہے تاکہ وہ اپنی کارکردگی کو پوری چستی و مستعدی کے ساتھ سرانجام دے سکے۔ مزید برآں یہ کہ سجدہ کرنے سے انسان دماغ کی جریان خون (hemorrhage) سے بچ جاتا ہے۔ دماغ سے خون کا یہ بہنا دماغ کی داخلی رگوں کے ٹوٹنے کا شدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ لیٹنے اور جسم کو ڈھیلا چھوڑنے سے صحت کی ان خرابیوں میں کمی ہوتی ہے جن کا شوگر کے مریضوں کو سامنا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شوگر کے مریض جب طویل مدت تک کھڑے رہتے ہیں تو پیشاب کے ذریعے ان کے جسموں سے البومین (albumin) کی خاصی مقدار مزید کم ہو جاتی ہے۔ انھیں تھکاوٹ اور کمزوری ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لیٹنے کا یہی فائدہ شوگر کے مریضوں کو نماز میں رکوع و سجود سے مل جاتا ہے۔

سے ہوتا ہے اور یہ نتیجہ ہوتا ہے بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) کا، یا شوگر کی بیماری کا، یا خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہونے کا، یا ان دیگر اسباب کا جو جدید طرز زندگی کے تلخ ثمرات ہیں۔ حتیٰ کہ یہ مرض انسانیت کے لیے انتہائی خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے۔ کئی بار سجدہ کرنے والے نمازی کے دماغ کو ایسی قوت مدافعت مل جاتی ہے کہ وہ دماغ کے جریان خون

سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ سجدے کی حالت میں سر تک خون زیادہ اور خوب پہنچتا ہے کیونکہ سر دل سے نچلی حالت میں ہوتا ہے۔ پھر نمازی کے دماغ کی شریان کو بار بار یہ موقع ملتا ہے کہ خون کی ایک بڑی مقدار سجدے کی حالت میں سر تک پہنچتی رہتی ہے۔ یوں دماغ کی شریان کو اتنی قوت مل جاتی ہے کہ فشارِ خون کے وقت وہ ہمہ گیر تباہی مچانے والے خون کے گزرنے کو برداشت کر لیتی ہے۔ یہ بالکل ایسا عمل ہے جیسے مسلسل ورزش، مشقت، ریاضت اور کسرت کرنے سے انسان کے پٹھوں کو قوت و طاقت ملتی ہے۔

نماز کے دوران ایسی جسمانی ورزش ہوتی ہے جو تمام لوگوں کے لیے موزوں ہے۔ نماز کے سجدے اور رکوع بدن کے قدرتی وظائف اور ان کی طبعی کارکردگی میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ نماز کی تمام حرکات، رکوع، سجود، جلسہ اور قیام انسان کی طبیعت اور اس کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ نماز میں زندگی کے کسی بھی طبقے اور عمر کے کسی بھی حصے سے تعلق رکھنے والے انسان کے لیے صحت کا کوئی خطرہ یا نقصان نہیں، بلکہ سراسر فوائد و منافع ہی ہیں۔

اوقات نماز میں حکمت

پانچوں نمازوں کے اوقات مقرر کرنے میں بھی حکمت ہے۔ انسان جب صبح سویرے نیند سے بیدار ہوتا ہے تو وہ راحت و نشاط محسوس کرتا ہے، چنانچہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ نے صرف دو رکعات نماز فرض کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ گھنٹے بعد تک انسان اپنے کام کاج میں مصروف رہتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس طویل دورانیے میں کوئی نماز فرض نہیں کی۔ ظہر کے وقت انسان اپنے کام کی

وجہ سے تھکان محسوس کرنے لگتا ہے، اس وقت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے چار فرض مقرر فرمائے ہیں۔ سنن و نوافل اس سے الگ ہیں۔ نماز ظہر ادا کرنے کے تقریباً تین چار گھنٹے بعد نماز عصر کا وقت ہو جاتا ہے، جب کہ عصر کے تقریباً دو گھنٹوں بعد مغرب کی تین رکعات ادا کرنا فرض فرمائیں، اور مغرب کے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے بعد عشاء کی چار رکعات فرض ہیں۔

ان اوقات کو گہری نظر سے دیکھنے پر ہم پر یہ بات واشگاف ہوگی کہ ان پانچ اوقات میں وقفوں کے تھوڑا یا زیادہ ہونے کا تعلق انسان کی تھکاوٹ اور چستی سے ہے۔ دن کے آغاز میں جب جسم انسانی تازہ دم اور آرام میں ہوتا ہے، نماز کی رکعات کی تعداد کم ہوتی ہے۔ دن کے اختتام پر جب انسان تھکاوٹ، اُکتاہٹ اور بے چینی زیادہ محسوس کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تھوڑے تھوڑے وقفوں سے زیادہ رکعات والی نمازیں فرض کی ہیں۔ اس سے ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ نماز جسم انسانی کو چست اور تازہ دم رکھتی ہے، جیسے کہ وہ بے حیائی اور برائی سے باز رکھتی ہے۔

نماز سے گردوں کی کارکردگی میں مدد طبی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کھڑے ہونے یا ورزش کرنے کی حالت میں جسم انسانی میں گردوں کی طرف خون کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے، جب کہ سجدے یا لیٹنے کی حالت میں خون کا بہاؤ بڑھ جاتا ہے۔ ان تجربات کی روشنی میں سائنس دانوں نے یہ حقیقت دریافت کی ہے کہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی صورتوں میں گردوں کی طرف خون کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے، جب کہ رکوع و سجود

کی حالتوں میں یہ بہاؤ بڑھ جاتا ہے۔ سارا دن کھڑے رہنے والوں پر کیے گئے مطالعے سے یہ واضح ہوا ہے کہ ان لوگوں میں گردوں کی طرف خون کے بہاؤ کی مقدار کم ہوتی ہے۔ نیز کھڑے رہنا ان میں پیشاب کی مقدار کو کم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ سجدہ کرتے اور لیٹتے وقت خون کے اس بہاؤ کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب گردے کی طرف خون کی رو میں تیزی ہوتی ہے تو گردوں کے پردوں پر دباؤ پیدا ہوتا ہے اور ان میں خون کی صفائی کا عمل بڑھ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پیشاب کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے۔ سجدے کی حالت میں پیشاب کی مقدار کے بڑھنے کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ گردوں کی جانب خون کے بہاؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رکوع، سجود اور لیٹنے کی حالتوں میں پیشاب بننے کا عمل بڑھ جاتا ہے۔ اگر ہم نماز ادا کرنے سے پہلے پیشاب نہ کریں تو دوران نماز کوفت ہوتی ہے۔ یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ کرنا موزوں ہوگا کہ رسول اکرمؐ نے پیشاب پاخانہ روک کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ نماز ادا کرنے سے پیشاب بننے کے عمل میں تیزی پیدا ہوتی ہے، جس سے دوران نماز اس طرف دھیان زیادہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ نمازی کا خیال نماز سے بالکل ہٹ جاتا ہے۔

نماز سے شوگر کے مرض میں کمی! جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ لیٹنے اور جسم کو ڈھیلا چھوڑنے سے صحت کی ان خرابیوں میں کمی ہوتی ہے جن کا شوگر کے مریضوں کو سامنا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شوگر کے مریض جب طویل مدت تک کھڑے رہتے ہیں تو پیشاب کے ذریعے

ان کے جسموں سے البومین (albumin) کی خاصی مقدار مزید کم ہو جاتی ہے۔ انھیں تھکاوٹ اور کمزوری ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لیٹنے کا یہی فائدہ شوگر کے مریضوں کو نماز میں رکوع و سجود سے مل جاتا ہے۔ ایک طبی تجربے کے بعد شوگر کے مریضوں نے اپنی جسمانی تکالیف میں، اس وقت راحت اور کمی پائی، جب انھیں بہت تھوڑی مدت کے لیے لیٹنے کا موقع دیا گیا۔ وہ بیمار جنھیں کام کے دوران لیٹنے کا موقع کم ملتا ہے، اگر وہ اس دوران نمازیں ادا کر لیں تو نماز اور سجود کی برکت سے وہ لیٹنے سے بھی زیادہ استراحت کے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

ذیابیطس کے مریضوں کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنا، بیٹھنا اور سخت مشقت کرنا مناسب نہیں۔ ہاں، وہ کچھ ہلکی ورزشیں اور کام کر سکتے ہیں۔ ان ہلکی ورزشوں میں سے نمایاں ترین نماز ہے، کیونکہ نماز سے کسی نفس پر اس کی استطاعت و گنجائش کے مطابق ہی ذمہ داری پڑتی ہے۔ نماز کے اجزائیں سے اہم ترین سجود ہیں۔ یہ ایک ایسی آسان ورزش ہے جو دل کو کافی آرام پہنچاتی ہے۔ اس سے تمام اعضا تک آسانی سے خون پہنچتا ہے بلکہ سجدہ کرنا تو لیٹنے سے بھی زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ اس سے شوگر کے مرض کی علامات اور شکایات میں کمی کرنے میں مدد ملتی ہے۔ بالفاظ دیگر نماز جسمانی ورزش کی تمام اقسام سے افضل ہے۔ نیز نماز دل کو راحت پہنچانے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

جاری ہے۔۔

زندگی ہوتی ہے۔ اسلام نے جہاں زندگی کے گوشوں اور مرحلوں کو سنوارنے کا ہر ایک انتظام مہیا کیا ہے وہاں خدمت خلق پر ایک خاص توجہ دی ہے۔ اسلام نے اس معاملے میں بھی ایک ارفع و اعلیٰ تصور پیش کیا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ”جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی تکالیف میں سے کوئی ایک تکلیف دور کر دے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیف میں سے اس کی تکلیف دور کر دے گا، اور جو شخص کسی تنگ دست سے نرمی کا معاملہ کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے۔“

دور نبوت (ﷺ) سے پہلے ایام جاہلیت میں اہل عرب حسد و بغض اور ذاتی غرور میں اتنے مست تھے کہ انسان انسانوں کی غلامی کرتے، امیر کو غریب اور طاقتور کو کمزور پر ہر لحاظ سے برتری حاصل تھی۔ اسلام نے تو بعثت نبوی (ﷺ) کے بعد ایک ایسا نظام ترتیب دے دیا جس کی کہیں تمثیل نہیں ملتی۔ جبکہ اسلام اور سماجی رشتے پر تبصرہ کرتے ہوئے خرم مراد لکھتے ہیں کہ ”قرآن مجید نے معاشرے کی اصلاح (Social Reform) کیلئے ایمان کی بنیاد پر معاشرتی تعلقات کو بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ ہر جگہ یہ تاکید کی گئی کہ اللہ پر ایمان لاؤ تا کہ بندوں کی خدمت ہو، اور آخرت پر ایمان لاؤ تا کہ انسانوں کی خدمت ہو۔ یہی مقاصد ہیں تعلیم قرآنی کے۔ اور آنحضرت ﷺ کے ایک ہی ارشاد نے خدمت خلق کے تصور سے متضاد تمام تصوراتِ باطلہ کا خاتمہ کر دیا۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا

# اسلام

## میں حسن معاشرت کا تصور

مہینہ رمضان

راہ میں چلانا ہی بہتر عمل ہے۔ جس طرح عمل کے بغیر علم کا ہونا اور انسانیت کے بغیر انسانوں کا ہونا، ایک ادھورا عمل ہے اسی طرح حسن اخلاق، خدمت خلق اور صلہ رحمی کے بغیر مسلمان و مومن بھی ادھورا ہے۔ دراصل مغربی افکار اور مستشرقین (Orientalists) نے اس بات کو بہت اچھا لا کہ قرآنی تعلیمات اللہ اور بندے کے درمیان رشتہ کو زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے تو بھی یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے دوسرے مخلوق کے ساتھ معاملات بھی شامل ہیں، اور دنیا ہی وہ جگہ ہے جہاں ان تعلیمات کو عملایا جائے۔ اور ایک مسلمان کے قول کا عملی نمونہ اس کی

اسلام دین فطرت ہے اور اس کے اساسی تصورات عدل و اعتدال پر مبنی ہیں۔ یہ وہ عظیم نعمت ہے جو انسانیت کو ایک عظیم تحفہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا ہے۔ یہ انسانی حیات کے ہر گوشے کا احاطہ کرتا ہے۔ بنسبت اس کے ہم اگر دیگر مذاہب میں دیکھیں تو وہ انسان کو فضول افکار و نظریات کی بھول بھلیوں میں گم کر دیتے ہیں۔ اور اسلام ہی واحد دین ہے جو دیگر ادیان باطلہ اور دوسرے افکار سے کلی طور منفرد بھی ہے اور مختلف بھی۔ اسلام ایک ایسا نظام ہے جو ایک صورت میں بندے کو اپنے خالق سے ملاتا ہے تو دوسری صورت میں اسی مخلوق کا رشتہ بندگان خدا سے بھی استوار کرتا ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ایک اعتدالی

”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“

”اسلام میں رہبانیت (کا کوئی تصور) نہیں۔“

حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ دونوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کی مخلوق سے بھلائی کے ساتھ پیش آئے“

اسی نظریہ کو شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں  
منوں میں پھرتے ہیں مارے مارے  
میں اسکا بندہ بنوں گا جسکو  
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا۔

اللہ تبارک تعالیٰ ایک مالدار کو اپنی طرف سے دی ہوئی نعمتوں کے بارے میں یوں ہدایات دیتے ہیں: کہ اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔

اور صورت اظہار کی یہ بتلائی کہ اللہ کا شکر بجالاؤ اور اس مال سے محتاجوں کی مدد کرو۔ اسلامی تعلیمات نے دنیا میں ایسے اوراق رقم کئے ہیں کہ غیر مسلم بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام ہی وہ

نظام ہے جس میں امن و انصاف ہے۔ اسکی تعلیمات وحدت اور اخوت کا بہترین نمونہ ہیں۔ جسکی ایک مثال صحابہ کرامؓ نے تب پیش کی جب

ہجرت کے بعد مہاجرین صحابہ کرامؓ مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے تو انصارؓ مدینہ نے من و عن اپنا سب کچھ مہاجرینؓ کیلئے پیش کر دیا۔ جسکی مثال

تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ انصارؓ نے مہاجرینؓ کیلئے گھروں اور دلوں کے دروازے کھول دیئے۔ انہوں نے تو گھروں کا سامان تک یکساں بانٹ

دیا۔ چونکہ اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ غزوات اور جہاد کا سلسلہ بھی چلتا رہا تو اس دوران ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، بچے یتیم ہوئے اور عورتوں کو بے حد مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو ایسے وقت میں بھی ہر ایک صحابی کا گھر یتیم خانہ بن گیا۔ پہلی بار انسانی تاریخ نے دیکھا کہ آفاقی تعلیمات نے امیر غریب، مالک نوکر، غرضیکہ تمام انسانوں کو ایک درجے اور ایک ہی صف میں لا کھڑا کر دیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز مسلمانوں کو کلمہ کے رشتہ سے جوڑ کر عرب و عجم میں یہ اعلان کر دیا کہ امت مسلمہ ایک جسد واحد ہے اگر جسم کے کسی حصے میں زخم ہو تو پورے جسم میں درد ہوتا ہے۔ تاریخ کو پہلی بار ان تعلیمات کی عملی صورت مدینہ میں دیکھنے کو ملی جو کہ پہلی اسلامی ریاست بن گئی۔ جہاں رہبر کائنات ﷺ نے ایسے ہی تصورات کو مضبوط کیا کہ معاشرے کو سنوارنے کیلئے ہر ایک طبقہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا وہی مسلمانوں کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔  
لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

(سورۃ المعارج ۲۴، ۲۵)

”اور جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے“

بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے:

”بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، مریضوں کی عیادت کرو اور قیدیوں کو چھڑاؤ“

یہی وہ تعلیمات ہیں جو ایک معاشرے کا معاشی نظام سدھار سکتے ہیں۔ جس معاشرے میں انسانوں کی حق تلفی نہ ہو وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اور انہی تعلیمات کو عمل لانے کا نام اسلام ہے۔ بندوں کے حقوق کی دانگی سے جی چرانا یقیناً گناہوں میں شمار ہوتا ہے اور قرآن و سنت میں ان کیلئے وعیدیں آئی ہیں۔ سورۃ المدثر میں ہے،

فِيْ جَنَّتٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرٍ؟

جنتی مجرموں (جہنمیوں) سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیزیں جہنم میں لے گئیں؟

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيْنَ، وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِيْنَ

”وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے اور نہ ہی مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔“

یہ بات عیاں ہے کہ انسانی فطرت ایک انسان سے تقاضا کرتی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اخوت و بھائی چارے کے ساتھ پیش آئیں۔ اور خدمت خلق ہی انسانی فطرت کا زیور ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے خدمت خلق کے تصور کو مزید اجاگر کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”اللہ ہی زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے۔“ اس لحاظ سے انسان کسی چیز پر حق ملکیت نہیں جتا سکتا۔

یہاں تک کہ اسکے ہاتھ، پاؤں، جسم کے اعضاء سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اگرچہ انسان کیلئے ہر ایک ضرورت کا سامان مہیا کیا ہے لیکن جو

کچھ بھی اسکے پاس ہے اس میں اور جو کچھ زائد ہے اس میں بھی دوسروں کا حق ہے ان کے لیے جو مستحق ہو، ضرورت مند اور محتاج ہو۔



تاریخ نے وہ منظر بھی دیکھا جب ہر ایک یتیم بچے کیلئے کئی کئی ہاتھ ایک ساتھ بڑھ رہے تھے۔ بدر کے یتیموں کیلئے جگر گوشہ رسول ﷺ حضرت فاطمہ الزہراءؑ اپنے دعویٰ کو اٹھالیتیں اور امی عائشہ صدیقہؓ اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لے جا کر دل و جان سے پالتیں۔ ”حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی یتیم بچے کو ساتھ لئے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے“۔ عصر حاضر میں انہی معیاروں پہ اگر ہم اپنے آپ کو جانچیں گے تو ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ہم لوگ تو اسلام کی تعلیمات سے کافی دور ہی نہیں بلکہ انسانیت کی روح سے بھی ناواقف ہیں۔ ہمارے شب و روز اسی فکر میں گزر جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مال کس طرح حاصل ہو، حلال یا حرام طریقے سے، غرض کسی بھی طرح دنیاوی ٹھٹھ باٹھ قائم رہے اور لوگ ہمیں امیروں میں شمار کریں۔ جبکہ آپ ﷺ نے ترغیب دی تھی کہ ”ہرگز تم نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک تم خرچ نہ کرو، وہ جو تمہیں پسند ہو“۔ اگر ہم بھی انہی اسلامی تعلیمات پہ عمل پیرا ہوتے تو آج کوئی بھی یتیم دست شفقت کو نہیں ترستا۔ خدمت خلق تو انسانیت کا لبادہ ہے۔ ہم تو کبھی اپنوں اور مستحقوں کی حق تلفی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم مسلمانوں کیلئے اسلام آج محض ایک رسم کہن بن کر رہ گیا ہے۔ اور ہماری بندگی سے ذوق و شوق، محنت و معرفت سب چھن گیا۔

بقیہ۔ خدارا! اس کا تدارک کیجئے۔

بقیہ۔ کوئی پاگل ہی ہوگا

کی چادر ہٹتے ہی ایک قیدی عورت جسے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی اٹک اٹک کر بولی ”صاحب میں جوان بھی ہوں اور خوبصورت بھی، آج مجھے لے جاؤ“ ایک اور قیدی خاتون پنجابی میں بولی ”وے باؤ چھڈ اینوں، مینوں لے چل، پھر تیسری آواز آئی ”صاحب جو کہو گے کروں گی مگر خدا کے لیے مجھے اس جہنم سے نکالو“ اور پھر چند لمحوں میں ہی پوری بیرک میں شور مچ گیا، ہر عورت چیخ چیخ کر کچھ نہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اشتراک و صاف بتاتے ہیں کہ پہلے تو مجھے سمجھ ہی نہ آئی کہ ہو کیا رہا ہے لیکن پھر جیل حکام کے جھوٹ، بیرک کو اس طرح بند کر کے عورتوں کو جس اور گھٹن میں رکھنا اور دروازے سے ٹین کی چادر ہٹتے ہی خواتین کا ردِ عمل، مطلب جب پوری کہانی سمجھ آئی تو اگلے ہی لمحے ایسے لگا کہ جیسے میرے جسم سے کسی نے جان نکال لی ہو اور اس سے پہلے کہ میں گر جاتا میں بیرک کی سلاخوں کا سہارا لیکر وہیں زمین پر بیٹھ گیا، اسکے بعد کب آنسو بہے، کب ہچکیاں شروع ہوئیں اور میں کب تک زمین پر بیٹھ کر روتا رہا مجھے کچھ یاد نہیں۔ پورا واقعہ سنا کر اشتراک و صاف نے عینک اتاری، دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی بھگی آنکھیں صاف کیں اور پھر رندھی ہوئی آواز میں بولے ”جب انسان جانور بن جائے تو پھر ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں اور دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں جانور بڑھتے اور انسان گھٹتے جا رہے ہیں، لیکن دوستو! بات پھر وہی کہ جس دیس میں جانوروں کے مزے اور انسانوں کی مشکلیں بڑھتی جا رہی ہوں وہاں کون پاگل ہوگا جو پھر بھی انسان رہے۔۔۔۔۔

اموال۔ (یہ ملک جو پہلے ہی سے دلچت کیا جا چکا ہے، اب پھر بین الاقوامی خطرات اور سازشوں کی آماجگاہ ہے، لیکن صد حیف! کہ مسلمانوں کو کسی واقعے سے عبرت نہیں ہوتی، کوئی حادثہ انہیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کرتا، کوئی تازیانہ عبرت بھی ان کی نشہ معصیت کو اتارنے کے لیے کافی نہیں ہوتا، یہ حالت بہت ہی دردناک ہے، اللہ تعالیٰ اس قوم اور اس ملک پر رحم فرمائے۔

ہم پاکستانی معاشرے کے تمام اکابر و اصاغر کی خدمت میں نہایت درد و دلسوزی سے درخواست کرتے ہیں کہ خدارا! قہر الہی کو مزید دعوت نہ دیجئے، خواتین اسلام کو شرعی پردہ لازم ہے اور ان کا بن ٹھن کر برہنہ سر بازاروں میں نکلنا، اسلامی شریعت اور انسانی غیرت دونوں کے لحاظ سے گناہ کبیرہ ہے، اس کا انسداد کیجئے، مرد و زن کا اختلاط تمام فواحش کی جڑ ہے، گانا بجانا ان فواحش کی غذا ہے، خدارا! اس کا تدارک کیجئے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن ریکارڈنگ وغیرہ کی لعنت عام قوم پر مسلط کر دی گئی، اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کیجئے، عذاب الہی کا سیلاب ہماری طرف بڑھ رہا ہے، اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کر کے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع ہوں، احکام الہیہ کی پابندی کریں، خدا کے گھروں کو آباد کریں، فحاشی کے اڈوں کو ہٹا دیں، اے اللہ! اس قوم اس ملک پر رحم فرما، اے اللہ! ہماری ساری غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرما اور اپنے قہر

نوٹ (یہ مضمون ایک معاصر روزنامہ میں چھپ چکا ہے)

وغضب سے محفوظ فرما (آمین)

# صحت مند نیند اور قیلولہ کی اہمیت

ارہوں کی تعداد میں لوگ نیند لینے کے صحیح طریقے کے متعلق علم نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں

حضرت حفصہؓ کے گھر آپ ﷺ کا بستر ٹاٹ کا تھا جس کو دو ہرا کر کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔

جدید سائنس سنت رسول ﷺ کی روشنی میں!  
ڈاکٹر محمد حنیف

حضور ﷺ عام طور پر دائیں کروٹ پر آرام فرماتے تھے اور دایاں ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے

ہوتا۔ یہ تھا طریقہ نبی کریم ﷺ کے سونے کا

اور اسی کی ترغیب آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی تھی۔ آئیے اب جانتے ہیں کہ اس انداز سے سونے کی سائنسی اہمیت کیا ہے؟

نیند کا قلب پر اثر

دائیں کروٹ پر سونے سے قلب (دل) پر زیادہ

زور نہیں پڑتا، کیونکہ دوران خون کے عمل کے وقت،

قلب کے بائیں طرف کا حصہ دائیں کروٹ

ہونے کی حالت میں اوپر ہوتا ہے، اسے خون کو

پمپ کرنے میں زور نہیں لگانا پڑتا جس سے قلب پر

دنیا بظاہر ترقی کے دور سے گزر رہی ہے لیکن اب تک بہت سی تکلیفوں کے علاوہ نیند کا معمہ بھی حل نہیں ہو سکا۔ انسان کو کس وقت اور کس طرح سونا چاہیے یہ سب صرف مذہب اسلام (اسلامک میڈیکل سائنس) نے 14 سو سال قبل واضح کیا۔ 1930ء میں الیکٹرو اینسیفالوگراف (Electroencephalogram) یعنی E.E.G (جس سے دماغ کی لہروں کی پیمائش کی جاتی ہے) کے ایجاد کے باوجود اب تک سائنسی دنیا الجھن میں مبتلا ہے، اگر کوئی نیند کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو جدید دواؤں میں مسکن (Sedative) ادویہ دی جاتی ہیں، جس سے صبح اٹھنے کے بعد غنودگی طاری رہتی ہے۔ اس وقت جدید دواؤں کے علاوہ اسلامک میڈیسن کی سخت ضرورت ہے تاکہ ارہوں لوگوں کو راحت کی نیند مل سکے۔ اسلامک میڈیسن کے استعمال کے بعد غنودگی کی کیفیت نہیں رہتی بلکہ انسان نیند سے اٹھنے کے بعد چست رہتا ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ دواؤں کا عادی بھی نہیں ہوتا۔

اس مشین ترقی کے دور میں ارہوں کی تعداد میں لوگ نیند لینے کے صحیح طریقے کے متعلق علم نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ بلکہ دنیا کا ہر دوسرا شخص کسی نہ کسی وقت اس تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ تو آئیے دیکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سنت رسول ﷺ ہمیں کیا رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

ہمیں کس طرح سونا چاہیے؟

حضرت براء بن عاذبؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر آتے تو داہنی کروٹ پر سوتے تھے۔ (بخاری شریف و ترمذی)۔

## بقیہ راہ اعتدال

ٹیکنالوجی پر نہیں بلکہ خود ہم پر ہے کیونکہ ہم جائز و ناجائز میں فرق نہیں کرتے۔ قوانین طبعیت کو توڑ کر ہم نے بڑی غلطی کی ہے، ایسی غلطی جس کی سزا سے بچاؤ ممکن نہیں ہے۔ سائنسی مذہب اور صنعتی آداب حیاتیاتی حقیقت کے بالمقابل شکست کھا چکی ہے۔ جب بھی کبھی انسان زندگی کے ممنوع علاقوں میں قدم رکھنے کی کوشش کرتا ہے زندگی انسان کی قوتوں کو مضلل کر دیتی ہے۔ اسی لیے موجودہ تہذیب زوال پذیر ہے کیونکہ علوم جماد ہمیں ممنوع علاقے میں لے گئے اور ہم ان کی ہدایات پر بغیر دیکھے بھالے چلتے رہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ فرد کمزور، بدکار اور غبی ہو گیا اور اسے اپنے نفس پر کوئی قدرت حاصل نہ رہی۔ یہ ہے ایک مغربی سائنسدان جسکو مغرب کی بے اعتدالیوں نے راہ اعتدال پر لاکھڑا کیا۔ اے مغرب کی ڈوبتی نیا پر سوار ہونے کی سوچنے والو! سفر سے پہلے ایکس

کیرل کی یہ تحریر بار بار پڑھو!!!!

شاید اس سے یہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے کہ مغرب نے کبھی اعتدال کی راہ نہیں اپنائی۔ وہ انسان کو کبھی جانور خیال کرتا رہا تو کبھی فرشتہ کبھی عورت کو گندگی و نجاست سمجھ کر چھینک دیا گیا اور کبھی جنسی لذت کے لیے کھلونا سمجھ کر ہمارا کرکٹ میں سجاد یا گیا، کبھی جاگیر دارانہ نظام میں مزدوروں کو پالتو جانور تصور کر کے باندھ دیا گیا تو کبھی سرمایہ داری میں اسے جنگل کا آزاد جانور تصور کر لیا گیا اور اس کے لیے دو وقت کی دال روٹی اتنی مشکل کر دی گئی کہ اب اسے سوائے چیر پھاڑ اور کسی کا حق کھانے کے کچھ بھائی نہیں دے رہا۔

تو ایسے میں ہمارے پاس اب اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنی منزل کا تعین (نظام خلافت) کر کے راہ اعتدال (اسلام) کی طرف لوٹ آئیں تاکہ ہوجائیں ہم لوگوں پر گواہ۔۔۔۔۔

Our Body Rhythms Takes a Dip Between 2pm to 4pm .Hence Most

People Feel Sleepy

یعنی ”دوپہر 2 سے 4 بجے تک انسانی جسم میں اتار چڑھاؤ (تغیرات) کا گہرا عمل ہوتا ہے، اس لیے زیادہ تر لوگوں پر اس وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔“ چنانچہ پروفیسر جم ہارن تجویز کرتے ہیں کہ اگر دوپہر 20 منٹ تک سویا جائے تو کام کرنے کی قوت بڑھ جائے گی اور جسم میں چستی اور راحت محسوس ہوگی۔ مندرجہ بالا رپورٹ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ 1400 سال قبل جو طریقہ حضور ﷺ نے ہمیں بتایا وہ کتنا جدید سائنسی عمل ہے، جسے آج ماہرین فن سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر سونے کے وقت کا صحیح تعین کیا جائے اور صحیح طریقہ اپنایا جائے جو سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو تو یہ انسانی جسم کے لیے فائدہ کا سبب بنے گا۔

حضرت باقرؓ کہتے ہیں حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا، انہوں نے کہا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (شمائل ترمذی) حضرت حفصہؓ کے گھر آپ ﷺ کا بستر ٹاٹ کا تھا جس کو دو ہرا کر کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔

قارئین کرام! یہ تھی بے تاج بادشاہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سادگی، جنہوں نے دنیا کو مکمل دنیاوی اور سائنسی زندگی بسر کرنے کا شعور عطا کیا، جس پر جب ملت نے عمل کیا تو اس نے دنیا پر حکومت کی اور جب اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا، تب دنیا نے انہیں روندھ کر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ تمام کام دائیں جانب کروٹ لینے کی وجہ سے آسانی سے سرانجام پاتا ہے۔ غرض کہ دائیں کروٹ پر لیٹنے سے نہ تو نظام ہضم پر زور پڑتا ہے اور نہ ہی قلب پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہ دونوں عمل ٹھیک ہونے کی وجہ سے پھیپھڑے بھی صحیح طریقے سے عمل تنفس کا کام سرانجام دیں گے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انسانی جسم کے باقی اعضاء بھی صحیح کام کریں گے۔

کس طرح لیٹنا نہیں چاہیے

آئیے! اب دیکھتے ہیں کہ ہمیں کس طرح لیٹنا نہیں چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل لیٹتے دیکھا تو فرمایا ”اس طرح لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔“ (ترمذی)۔ میڈیکل سائنس ہمیں یہ معلومات فراہم کرتی ہے کہ منہ کے بل اوندھے لیٹنے سے دل و گردہ پر برا اثر پڑتا ہے۔ نیز نظام ہضم پر بھی دباؤ پڑتا ہے۔

قبیلہ کی سائنسی اہمیت

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب دوپہر کو ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے ”جاؤ قبیلہ کرو۔“ (شعب الایمان 182، جلد 5) اسی طرح حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قبیلہ کرو کیونکہ شیطان قبیلہ نہیں کرتا۔ (طبرانی، ابونعیم، دیلمی)۔

ایک اور حدیث کے راوی حضرت سہل ابن سعدؓ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جمعہ کے دن جمعہ کے بعد کھانا کھاتے اور قبیلہ کرتے۔ (بخاری، ترمذی) پروفیسر جم ہارن، ڈائریکٹر سلیپ ریسرچ لیبارٹری انگلینڈ کا کہنا ہے کہ:



اُس ترازو سے مجھے خون کی بُو آتی ہے  
یک زباں ہو کے مرے پیارے وطن کے باسی  
جس کے جھکتے ہوئے پلڑے کو خدا کہتے ہیں  
ساری تعزیریں یتیموں پہ لگانے والی  
تختہ دار پہ مہروں کو چڑھانے والی  
سارے شیطانوں کو مسند پہ بٹھانے والی  
تم کہو شوق سے اُس جا کو عدالت لوگو  
کالے کرتوتوں کو تم کہہ دو وکالت لوگو  
میں اُسے کہتا ہوں زرداروں کی گندی منڈی  
جس جگہ چلتے ہوں منصف بھی رکھیلوں کی طرح  
جس جگہ اندھے گواہوں کی فراوانی ہو  
اُس جگہ عدل کا سایہ بھی نہیں ملتا کبھی  
جس جگہ زر ہو خدا زر کی شناخوانی ہو



## حضرت عمرؓ کا خطبہ اپنی سختی کے بارے میں!

حضرت عمرؓ کو خلافت سنبھالنے کے بعد یہ اطلاع ملی کہ لوگ ان کی سختی سے خوفزدہ ہیں، تو انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ لوگ میری سختی سے خوفزدہ ہیں اور میری دُشمنی طبع سے ڈرتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ عمر اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے اور اس وقت بھی سختی کرتا تھا جب حضرت ابو بکر صدیقؓ ہمارے خلیفہ تھے، اب تو تمام اختیارات اس کے پاس چلے گئے ہیں، اب نہ جانے اس کی سختی کا کیا حال ہوگا؟

تو سن لیجیے! کہ جس شخص نے بھی بات کہی ہے اس نے سچ کہا ہے۔ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا تو آپ کا غلام اور خادم رہا یہاں تک کہ آپ (ﷺ) بحمد اللہ مجھ سے راضی ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے اور اس معاملے میں میں تمام لوگوں سے زیادہ خوش قسمت ہوں۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے خلافت سنبھالی تو میں ان کا خادم اور مددگار رہا، میں اپنی سختی کو ان کی نرمی کے ساتھ ملائے رکھتا تھا اور اس وقت تک ننگی تلوار بنا رہتا تھا جب تک وہ مجھے نیام میں نہ کر دیں، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بھی اس حال میں اٹھایا کہ بحمد اللہ وہ مجھ سے راضی تھے اور میں اس معاملے میں تمام لوگوں سے زیادہ خوش قسمت ہوں۔ اب مجھے تمہارے معاملات سونپے گئے ہیں، یاد رکھو! کہ اب اس سختی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے، لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مسلمان پر ظلم اور زیادتی کو روا رکھیں، رہے وہ لوگ جو دیندار، راست رو اور سلیم الفکر ہیں، میں ان پر خود ان سے زیادہ نرم ہوں، ہاں البتہ جو شخص کسی پر ظلم کرنا چاہے میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین سے ملا کر اس کے دوسرے رخسار پر پاؤں نہ رکھ دوں اور وہ حق کا اعلان نہ کر دے۔

لوگو! تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہاری اجتماعی آمدنی میں سے ایک جہ نہ چھپاؤں، اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں اور جب تم مسلمانوں کے کام کی وجہ سے گھر سے باہر ہو تو جب تک تم لوٹ نہ آؤ، میں تمہارے بچوں کا باپ بنا رہوں۔

یہ کلمات کہہ کر میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ (حیات الجوان، ج ۱، ص ۴۶)